اس شمارے میں

حرف اوّل		2
رجوع الی القرآن کورس (پارٹ II)	حافظ عاطف وحید	
مطالعہ قرآن حکیم		3
سورۃ البقرۃ (آیات ۲۱ تا ۲۹)	ڈاکٹر اسرار احمد	
فہم القرآن		
ترجمۂ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح	لطف الرحمٰن خان	15
نباتاتِ قرآن		
یَقْطِیْن	سید قاسم محمود	26
حکمت نبویؐ		
محض اللہ کے لیے محبت	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	29
توضیح و تنقیح		
چہرے کا پردہ۔ واجب، مستحب یا بدعت؟(۵)	حافظ محمد زبیر	45
تعارف و تبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	63

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرۃ: ۲۶۹)

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 6.4.06
۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد

مدیرِ مسئول: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
حافظ عاطف وحید
پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی - پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۵ | ربیع الاول ۱۴۲۷ھ - اپریل ۲۰۰۶ء | شمارہ ۴

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶-کے - ماڈل ٹاؤن - لاہور ۱۴ - فون: ۵۸۶۹۵۰۱
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے' فی شمارہ: 10 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رجوع الی القرآن کورس (پارٹ II)

کفر کی عالم اسلام کے خلاف سیاسی' فوجی اور فکری یلغار کی وجہ سے اُمت مسلمہ کا معمولی سا درد رکھنے والا ایک عام مسلمان بھی اضطراب و بے چینی کا شکار ہے۔ ایک طرف علماء ہیں جو کہ الّا ماشاء اللہ فکری جمود و انحطاط کا شکار ہیں اور فقہ الواقع (دنیاوی علوم و حالات) سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسلامی معاشروں کی رہنمائی سے قاصر ہیں' جبکہ دوسری طرف کالج اور یونیورسٹیاں ایسے ماہرین فن تیار کر رہی ہیں جو کہ فقہ الواقع (دنیاوی علوم و حالات) سے تو خوب باخبر ہیں لیکن دین اسلام کی معمولی سُد بُد بھی نہیں رکھتے۔

اِن حالات میں ایسے افراد تیار کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو دُنیوی علوم کے ساتھ ساتھ علومِ دینیہ میں بھی مناسب حد تک رسوخ رکھتے ہوں' تاکہ اُمت مسلمہ کی اصلاح اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے ٹھوس علمی بنیادوں پر دعوت و تبلیغ اور تدریس کی خدمات سرانجام دے سکیں اور اس دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کر سکیں۔ اس مقصد کے حصول کی جانب پیش رفت کی خاطر قرآن اکیڈمی کے زیر اہتمام رجوع الی القرآن کورس کے ''پارٹ ٹو'' کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اس کورس سے ہمارے پیش نظر ایسے افراد کو دینی علوم سے مسلح کرنا ہے جو بی۔ اے یا ایم۔ اے تک دُنیوی تعلیم کے علاوہ ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس ''پارٹ ون'' کی حد تک دینی تعلیم حاصل کر چکے ہوں' اُن کا مزاج تحریکی ہو اور اُمت مسلمہ کے لیے کچھ کر گزرنے اور قربانی کا جذبہ رکھتے ہوں۔

واضح رہے کہ اس تعلیمی سلسلے کے ''پارٹ ون'' کی تدریس بحمد اللہ کم و بیش بیس سال سے قرآن اکیڈمی میں باقاعدگی کے ساتھ جاری ہے۔ اس کورس کی تکمیل سے جہاں تبلیغی اور تدریسی سرگرمیوں میں سہولت ہو گی وہاں تعلیم و تعلم اور تحقیق و تخلیق کی راہوں پر بڑھنے کے لیے ایک بنیاد بھی فراہم ہو سکے گی۔ اس کورس کے نصاب اور طریقۂ تدریس وغیرہ سے متعلق تفصیلات کے لیے پراسپکٹس ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۲۱ تا ۲۹

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ
وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا
عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ
وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا
رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ
مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا
یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ
اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا
الْفٰسِقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ

اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ کُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ ۚ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ٭ ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۲۹﴾﴾

سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع میں قرآن کی دعوت کا خلاصہ آ گیا ہے کہ قرآن اپنے مخاطب کو کیا ماننے کی دعوت دیتا ہے اور اُس کی پکار کیا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' سورۃ البقرۃ کے نزول سے قبل دو تہائی قرآن نازل ہو چکا تھا۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے وہ قرآن بعد میں آئے گا' لیکن ترتیب نزولی کے اعتبار سے وہ پس منظر میں موجود ہے۔ لہٰذا سورۃ البقرۃ کے پہلے دو رکوعوں میں مکی قرآن کے مباحث کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اور تیسرے رکوع میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور لبّ لباب آ گیا ہے' جبکہ قرآن مجید کا فلسفہ اور بعض نہایت اہم موضوعات و مسائل کا خلاصہ چوتھے رکوع میں بیان ہوا ہے۔ اب ہم تیسرے رکوع کا مطالعہ کر رہے ہیں:

آیت ۲۱ ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اے لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس ربّ (مالک) کی جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے جتنے لوگ گزرے ہیں (انہیں بھی پیدا کیا) تاکہ تم بچ سکو۔''

یہ قرآن کی دعوت کا خلاصہ ہے اور یہی تمام انبیاء و رُسل ؑ کی دعوت تھی۔ سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں ایک ایک رسول کا نام لے کر اس کی دعوت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: ﴿یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی اور الٰہ اُس کے سوا نہیں ہے''۔ سورۃ الشعراء میں رسولوں کی دعوت کے ضمن میں بار بار یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿ۚ﴾﴾ ''پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔'' سورۂ نوح میں حضرت نوح ؑ کی دعوت ان الفاظ میں بیان ہوئی: ﴿اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۳﴾﴾ ''کہ اللہ کی بندگی کرو' اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!''

پھر از روئے قرآن یہی عبادتِ ربّ انسان کی غایتِ تخلیق ہے۔ ﴿وَ مَا خَلَقۡتُ

الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذّٰریٰت) ''اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی صرف اس لیے کیا ہے کہ ہماری بندگی کریں۔'' چنانچہ تمام رسولوں کی دعوت یہی ''عبادتِ ربّ'' ہے اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی دعوت بھی یہی ہے' لیکن یہاں ایک بہت بڑا فرق واقع ہوگیا ہے۔ وہ یہ کہ باقی تمام رسولوں کی دعوت کے ضمن میں صیغۂ خطاب ''یٰقَوْمِ'' ہے۔ یعنی ''اے میری قوم کے لوگو!'' جبکہ یہاں صیغۂ خطاب ہے: ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ'' یعنی ''اے بنی نوعِ انسان!'' معلوم ہوا کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے پہلے تمام رسول ؑ صرف اپنی اپنی قوموں کی طرف آئے' جبکہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری اور کامل رسول ہیں جن کی دعوت آفاقی ہے۔

عام طور پر لوگ جو غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں اُس پر اِس دلیل سے جمے رہتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد کا راستہ یہی تھا۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ کے الفاظ میں اس دلیل کا ردّ بھی موجود ہے کہ جیسے تم مخلوق ہو ویسے ہی تمہارے آباء واجداد بھی مخلوق تھے' جیسے تم خطا کر سکتے ہو اسی طرح وہ بھی تو خطا کر سکتے تھے۔ لہٰذا یہ نہ دیکھو کہ آباء واجداد کا راستہ کیا تھا' بلکہ یہ دیکھو کہ حق کیا ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''تاکہ تم بچ سکو'' یعنی دنیا میں افراط وتفریط کے دھکوں سے بچ سکو اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ سکو۔ ان دونوں سے اگر بچنا ہے تو اللہ کی بندگی کی روش اختیار کرو۔

آیت ۲۲ ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً﴾ ''جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا اور آسمان کو چھت بنا دیا۔''

﴿وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ ''اور آسمان سے پانی برسایا''

﴿فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ ''پھر اُس (پانی) کے ذریعے سے (زمین سے) ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔''

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''تو ہرگز اللہ کے مدّ مقابل نہ ٹھہراؤ جانتے بوجھتے۔''

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جب تم بھی مانتے ہو کہ اس کائنات کا خالق اللہ کے سوا کوئی نہیں' تو پھر اس کے شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اہل عرب یہ بات مانتے تھے کہ کائنات کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے' البتہ جو اُن کے دیوی دیوتا تھے انہیں وہ سمجھتے تھے کہ

یہ اللہ کے اوتار ہیں یا اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ ہیں' اُس کے محبوب ہیں' اُس کے اولیاء ہیں' اُس کی بیٹیاں ہیں' لہٰذا یہ شفاعت کریں گے تو ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ کائنات کا خالق ایک اللہ ہے' وہی اس کا مدبر ہے تو اب کسی کو اس کا مدّ مقابل نہ بناؤ۔

اَنْدَاد ''نِدّ'' کی جمع ہے' اس کا معنی مدّ مقابل ہے۔ خطبۂ جمعہ میں آپ نے یہ الفاظ سنے ہوں گے: ''لَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) ''یہ کہ تو اس کا کوئی مدّ مقابل ٹھہرائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔''(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کسی درجے میں کوئی شریک یا مدّ مقابل نہیں ہے۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ اُمت کو اس درجے توحید کی باریکیوں تک پہنچا کر گئے ہیں کہ ایسے تصورات کی بالکل جڑ کٹ جاتی ہے۔ ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ کے سامنے ایسے ہی کہہ دیا: ''مَاشَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتَ'' یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ)) ''کیا تو نے مجھے اللہ کا مدّ مقابل بنا دیا ہے؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے۔''(۲) اس کائنات میں مشیت صرف ایک ہستی کی چلتی ہے۔ کسی اور کی مشیت اس کی مشیت کے تابع پوری ہو جائے تو ہو جائے' لیکن مشیتِ مطلقہ صرف اُس کی ہے۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (القصص:۵۶)

''(اے نبیؐ!) یقیناً آپؐ جسے چاہیں اُسے ہدایت نہیں دے سکتے' بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

اگر ہدایت کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہوتا تو ابوطالب دنیا سے ایمان لائے بغیر

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' باب قوله تعالیٰ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب کون الشرك اقبح الذنوب..... الخ۔

(۲) ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبدالوہاب نے ''کتاب التوحید'' میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((اَجَعَلْتَنِیْ وَاللّٰهَ عَدْلًا؟)) ''کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟'' (مرتب)

رخصت نہ ہوتے۔

ان دو آیتوں میں توحید کے دونوں پہلو بیان ہو گئے' توحید نظری بھی اور توحید عملی بھی۔توحید عملی یہ ہے کہ بندگی صرف اُسی کی ہے۔اب اگلی آیت میں ایمان بالرسالت کا بیان آ رہا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا ﴾ ''اور اگر تم واقعتاً شک میں ہو اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اتارا اپنے بندے پر (کہ یہ ہمارا نازل کردہ ہے یا نہیں)''

﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص﴾ ''تو لے آؤ ایک ہی سورت اس جیسی۔''

''تعارف قرآن''[1] میں یہ بات تفصیل سے بیان کی گئی تھی کہ قرآن حکیم میں ایسے پانچ مقامات ہیں جہاں پر یہ چیلنج موجود ہے کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ کلام محمد (ﷺ) کی اختراع ہے تو تم بھی مقابلے میں ایسا ہی کلام پیش کرو۔سورۃ الطور کی آیات ۳۳'۳۴ میں ارشاد ہوا: ''کیا ان کا یہ کہنا ہے کہ اسے محمد (ﷺ) نے خود گھڑ لیا ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ماننے کو تیار نہیں۔پھر چاہیے کہ وہ اسی طرح کا کوئی کلام پیش کریں اگر وہ سچے ہیں''۔سورۂ بنی اسراءیل (آیت ۸۸) میں فرمایا گیا کہ ''اگر تمام جن وانس جمع ہو کر بھی اس قرآن جیسی کتاب پیش کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں کر سکیں گے' چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں''۔پھر سورۂ ہود (آیت ۱۳) میں فرمایا گیا کہ ''(اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجیے (اگر پورے قرآن کی نظیر نہیں لا سکتے) تو ایسی دس سورتیں ہی گھڑ کر لے آؤ!'' اس کے بعد مزید نیچے اتر کر' جسے برسبیلِ تنزل کہا جاتا ہے' سورۂ یونس (آیت ۳۸) میں اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آنے کا چیلنج دیا گیا۔مذکورہ بالا تمام مقامات مکی سورتوں میں ہیں۔پہلی مدنی سورۃ ''البقرۃ'' کی آیت زیر مطالعہ میں یہی بات بڑے اہتمام کے ساتھ فرمائی گئی کہ اگر تم لوگوں کو اس کلام کے بارے میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے (کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے) تو اس جیسی ایک سورت تم بھی موزوں کر کے لے آؤ! یہ ایک سورت سورۃ العصر کے مساوی بھی ہو سکتی تھی' سورۃ الکوثر کے مساوی بھی ہو سکتی تھی۔

﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''اور بلا لو اپنے

(۱) ''تعارف قرآن'' پر مشتمل سلسلۂ مضامین حکمت قرآن کے صفحات میں ۲۰۰۵ء کے دوران شائع ہوتا رہا ہے اور اب یہ کتابی صورت میں دستیاب ہے۔(مرتب)

سارے مددگاروں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔''

قریش کا خیال یہ تھا کہ شعراء کے پاس جن ہوتے ہیں' جو انہیں شعر سکھاتے ہیں' ورنہ عام آدمی تو شعر نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ فرمایا کہ جو بھی تمہارے مددگار ہوں' ایک اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی تم مدد حاصل کر سکتے ہو' جنات ہوں یا انسان ہوں' خطیب ہوں' شعراء ہوں یا ادیب ہوں' ان سب کو جمع کر لو اور اس قرآن جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ' اگر تم سچے ہو۔

قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنے اندر جھانکنے کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ یہاں گویا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہا جا رہا ہے کہ حقیقت میں تمہیں اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' یہ تو تم محض بات بنا رہے ہو۔ اگر تمہیں واقعتاً شک ہے' اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو آؤ میدان میں اور اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ!

آیت ۲۴ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ ''پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو' اور ہرگز نہ کر سکو گے!''

ذرا انداز دیکھئے' کیسا تحدی اور چیلنج کا ہے! اور یہ چیلنج اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ انداز دنیا کی کسی کتاب کا نہیں ہے' یہ دعویٰ صرف قرآن کا ہے۔ کیسا دو ٹوک انداز ہے: ''پھر اگر تم نہ کر پاؤ' اور تم ہرگز نہیں کر پاؤ گے۔''

﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ﴾ ''تو پھر بچو اُس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔''

جہنم کے ایندھن کے طور پر پتھروں کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ اس کے دو امکانات ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کو معلوم ہے پتھر کے کوئلے کی آگ عام لکڑی کے کوئلے کے مقابلے میں بڑی سخت ہوتی ہے۔ لہٰذا جہنم کی آگ بہت بڑے بڑے پتھروں سے دہکائی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ مشرکین نے جو معبود تراش رکھے تھے وہ پتھر کے ہوتے تھے۔ مشرکین کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے ساتھ تمہارے ان معبودوں کو بھی جہنم میں جھونکا جائے گا تاکہ تمہاری حسرت کے اندر اضافہ ہو کہ یہ ہیں وہ معبودانِ باطل جن سے ہم دعائیں مانگا کرتے تھے' جن کے سامنے ماتھے ٹیکتے تھے' جن کے سامنے ڈنڈوت کرتے تھے' جن کو چڑھاوے چڑھاتے تھے!

﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝﴾ ''تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔''

یہ جہنم منکرینِ حق کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اب یہاں گویا ایمان باللہ اور ایمان

بالرسالت کے بعد ایمان بالآخرت کا ذکر آ گیا۔

آیت ۲۵ ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور بشارت دے دیجیے (اے نبیؐ!) ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے''

﴿اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''کہ ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی۔''

یہ لفظی ترجمہ ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ اس لیے کہ فطری باغ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جس میں ذرا اونچائی پر درخت لگے ہوئے ہیں اور دامن میں ندی بہہ رہی ہے' جس سے خود بخود آب پاشی ہو رہی ہے اور درختوں کی جڑوں تک پانی پہنچ رہا ہے۔

﴿كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا﴾ ''جب بھی انہیں دیا جائے گا وہاں کا کوئی پھل رزق کے طور پر (یعنی کھانے کے لیے)''

﴿قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ''وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی ملتا تھا''

﴿وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا﴾ ''اور دیے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے۔''

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جنت میں اہل جنت کی جو ابتدائی دعوت یا ابتدائی ضیافت (نُزُل) ہو گی اس میں انہیں وہی پھل پیش کیے جائیں گے جو دنیا میں معروف ہیں' مثلاً انار' انگور' سیب' کھجور وغیرہ۔ اہل جنت انہیں دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو ہم دنیا میں کھاتے آئے ہیں' لیکن جب انہیں چکھیں گے تو ظاہری مشابہت کے باوجود ذائقے میں زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔ اور ایک مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ اہل جنت کو جنت میں بھی وہی پھل ملتے رہیں گے' لیکن ہر بار اُن کا ذائقہ بدلتا رہے گا۔ ان کی شکل وصورت وہی رہے گی' لیکن ذائقہ وہ نہیں رہے گا۔ لہٰذا یہ دنیا والا معاملہ نہیں ہو گا کہ ایک ہی شے کو کھاتے کھاتے انسان کی طبیعت بھر جاتی ہے۔

﴿وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ''اور ان کے لیے اُس (جنت) میں نہایت پاکباز بیویاں ہوں گی۔''

﴿وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''اور وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

ان پانچ آیات (۲۱ تا ۲۵) میں ایمانیات ثلاثہ یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسول اور

ایمان بالآخرۃ کی دعوت آ گئی۔ اب آگے کچھ ضمنی مسائل زیر بحث آئیں گے۔

آیت ۲۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ﴾ ''یقیناً اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اُس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے۔''

کفار کی طرف سے قرآن کے بارے میں کئی اعتراضات اٹھائے جاتے تھے۔ وہ کبھی بھی اُس چیلنج کا مقابلہ تو نہ کر سکے جو قرآن نے انہیں ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ کے الفاظ میں دیا تھا' لیکن خواہ مخواہ کے اعتراضات اٹھاتے رہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کسی مصور کی تصویر پر اعتراض کرنے والے تو بہت تھے لیکن جب کہا گیا کہ یہ برش لیجیے اور ذرا اس کو ٹھیک کر دیجیے تو سب پیچھے ہٹ گئے۔ قرآن کے مقابلے میں کوئی سورت لانا تو ان کے لیے ممکن نہیں تھا لیکن اِدھر اُدھر سے اعتراضات کرنے کے لیے ان کی زبانیں کھلتی تھیں۔ اُن میں سے ان کا ایک اعتراض یہاں نقل کیا جا رہا ہے کہ قرآن مجید میں مکھی کی تشبیہ آئی ہے' یہ تو بہت حقیر سی شے ہے۔ کوئی اعلیٰ متکلم اپنے اعلیٰ کلام میں ایسی حقیر چیزوں کا تذکرہ نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں مکڑی جیسی حقیر شے کا بھی ذکر ہے' چنانچہ یہ کوئی اعلیٰ کلام نہیں ہے۔ یہاں اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔ دراصل تشبیہ اور تمثیل کے اندر مشبّہ اور مشبّہ بہٖ میں مناسبت اور مطابقت ہونی چاہیے۔ یعنی کوئی تمثیل یا تشبیہ بیان کرنی ہو تو جس شے کے لیے تشبیہ دی جا رہی ہے اُس سے مطابقت اور مناسبت رکھنے والی شے سے تشبیہ دی جانی چاہیے۔ کوئی شے اگر بہت حقیر ہے تو اسے کسی عظمت والی شے سے آخر کیسے تشبیہ دی جائے گی؟ اسے تو کسی حقیر شے ہی سے تشبیہ دی جائے گی تو تشبیہ کا اصل مقصد پورا ہو گا۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی شرم یا عار کی بات نہیں ہے کہ وہ مچھر کی مثال بیان کرے یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے۔ لفظ ''فَوْقَهَا'' (اس سے اوپر) میں دونوں معنی موجود ہیں۔ یعنی کمتر اور حقیر ہونے میں اس سے بھی بڑھ کر یا یہ کہ اُس سے اوپر کی کوئی شے۔ اس لیے کہ مکھی یا مکڑی بہرحال مچھر سے ذرا بڑی شے ہے۔

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ﴾ ''تو جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ یقیناً حق ہے ان کے ربّ کی طرف سے۔''

﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ﴾ ''اور جنہوں نے کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کہ کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے؟''

حق کے منکر ناک بھوں چڑھا رہے ہیں اور اعتراض کر رہے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے؟ اس ضمن میں اگلا جملہ بہت اہم ہے۔

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ﴾ ''گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے اسی کے ذریعے سے بہتوں کو۔''

ان مثالوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت سوں کو راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہدایت اور گمراہی کا دار و مدار انسان کی اپنی داخلی کیفیت (subjective condition) پر ہے۔ آپ کے دل میں خیر ہے' بھلائی ہے' آپ کی نیت طلبِ ہدایت اور طلبِ علم کی ہے تو آپ کو اس قرآن سے ہدایت مل جائے گی' اور اگر دل میں زیغ ہے' کجی ہے' نیت میں ٹیڑھ اور فساد ہے تو اسی کے ذریعے سے اللہ آپ کی گمراہی میں اضافہ کر دے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کسی کو ہدایت دینا اور کسی کو گمراہی میں مبتلا کر دینا الل ٹپ نہیں ہے' کسی قاعدے اور قانون کے بغیر نہیں ہے۔

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ ''اور نہیں گمراہ کرتا وہ اس کے ذریعے سے مگر صرف سرکش لوگوں کو۔''

اس سے گمراہی میں وہ صرف انہی کو مبتلا کرتا ہے جن میں سرکشی ہے' تعدی ہے' تکبر ہے۔ اگلی آیت میں اُن کے اوصاف بیان کر دیے گئے۔

آیت ۲۷ ﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠﴾ ''جو توڑ دیتے ہیں اللہ کے (ساتھ کیے ہوئے) عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد۔''

اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا عہد ''عہد الست'' ہے' جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آئے گا۔ یہ عہد عالم ارواح میں تمام ارواحِ انسانیہ نے کیا تھا' ان میں مَیں بھی تھا' آپ بھی تھے' سب تھے۔ الغرض تمام کے تمام انسان جتنے آج تک دنیا میں آ چکے ہیں اور جو قیامت تک ابھی آنے والے ہیں' اس عہد کے وقت موجود تھے' لیکن صرف ارواح کی شکل میں تھے' جسم موجود نہیں تھے۔ اور یہ بات یاد رکھیے کہ انسان کا روحانی وجود مکمل وجود ہے اور اوّلاً تخلیق اُسی کی ہوئی تھی۔ ''عہد الست'' میں تمام بنی آدم سے اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟) سب نے ایک ہی جواب دیا: بَلٰی (کیوں نہیں!) تو یہ جو فاسق ہیں' نافرمان ہیں' سرکش ہیں' انہوں نے اس عہد کو توڑا اور اللہ کو اپنا مالک'

اپنا خالق اور اپنا حاکم ماننے کی بجائے خود حاکم بن کر بیٹھ گئے اور اس طرح کے دعوے کیے: ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ﴾ ''کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟'' غیر اللہ کی حاکمیت (sovereignty) کو تسلیم کرنا سب سے بڑی بغاوت' سرکشی' فسق اور نافرمانی ہے' خواہ وہ ملوکیت کی صورت میں ہو یا عوامی حاکمیت (Popular Sovereignty) کی صورت میں۔

﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ ''اور کاٹتے ہیں اُس چیز کو جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے''

اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے' یہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ مال کی طلب میں' اُس کے مال کو ہتھیانے کے لیے بھائی بھائی کو ختم کر دیتا ہے۔ انسان اپنی ذاتی اغراض کے لیے' اپنے تکبر اور تعلّی کی خاطر تمام اخلاقی حدود کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ ہماری شریعت کا فلسفہ یہ ہے کہ ہمیں دو طرح کے تعلقات جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک تعلق ہے بندے کا اللہ کے ساتھ۔ اس کا تعلق ''حقوق اللہ'' سے ہے۔ جبکہ ایک تعلق ہے بندوں کا بندوں کے ساتھ۔ یہ ''حقوق العباد'' سے متعلق ہے۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اُسے حاکم اور مالک سمجھو اور خود اُس کے بندے بنو۔ جبکہ انسانوں کا حق یہ ہے کہ: ((كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) ''سب آپس میں بھائی بھائی ہو کر اللہ کے بندے بن جاؤ۔''(۱) اس ضمن میں اہم ترین رحمی رشتہ ہے' یعنی سگے بہن بھائی۔ پھر دادا دادی کی اولاد میں تمام چچازاد وغیرہ (cousins) آجائیں گے۔ اس کے اوپر پردادا پردادی کی اولاد کا دائرہ مزید وسیع ہو جائے گا۔ اسی طرح اوپر چلتے جائیں یہاں تک کہ آدم وحوا پر تمام انسان جمع ہو جائیں گے۔ تو رحمی رشتہ کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں فاسقین کی دو صفات بیان کر دی گئیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے یہ انہیں قطع کرتے ہیں۔

﴿وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔''

متذکرہ بالا دونوں چیزوں کے نتیجے میں زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ انسان اللہ کی اطاعت سے باغی ہو جائیں یا آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگیں تو اس کا نتیجہ فساد فی الارض کی صورت میں نکلتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري' كتاب الادب' باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر وباب الهجرة۔ وصحيح مسلم' كتاب البر والصلة والآداب' باب تحريم التحاسد والتباغض والتدابر۔

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ''یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔''
یہی لوگ ہیں جو بالآخر آخری اور دائمی خسارے میں رہنے والے ہیں۔

آیت ۲۸ ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ﴾ ''تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے' پھر اُس نے تمہیں زندہ کیا۔''

﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ ''پھر وہ تمہیں مارے گا' پھر جلائے گا' پھر تم اُسی کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

اس مقام پر ایک بڑی گہری حکمت اور فلسفے کی بات بیان کی گئی ہے جو آج نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہے۔ وہ یہ کہ ہم دنیا میں آنے سے پہلے مردہ تھے (كُنْتُمْ اَمْوَاتًا)۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

یہ مضمون سورۃ غافر رسورۃ المؤمن میں زیادہ وضاحت سے آیا ہے' جو سورۃ البقرۃ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ لہٰذا یہاں اجمالی تذکرہ ہے۔ وہاں اہل جہنم کا قول بایں الفاظ نقل ہوا ہے: ﴿رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ ''اے ہمارے ربّ! تو نے دو مرتبہ ہم پر موت وارد کی اور دو مرتبہ ہمیں زندہ کیا' اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے' تو اب یہاں سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟''
اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ انسان کی تخلیقِ اوّل عالمِ ارواح میں صرف ارواح کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ احادیث میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ)) [متفق علیہ] یعنی ارواح جمع شدہ لشکروں کی صورت میں تھیں۔ ان ارواح سے وہ عہد لیا گیا جو ''عہد الست'' کہلاتا ہے۔ پھر انہیں سلا دیا گیا۔ یہ گویا پہلی موت تھی جو ہم گزار آئے ہیں۔ (آپ جانتے ہیں کہ مُردہ معدوم نہیں ہوتا' بے جان ہوتا ہے' ایک طرح سے سویا ہوا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں موت اور نیند کو باہم تشبیہہ دی گئی ہے۔) پھر دنیا میں عالمِ خلق کا مرحلہ آیا' جس میں تناسل کے ذریعے سے اجسادِ انسانیہ کی تخلیق ہوتی ہے اور اُن میں ارواح پھونکی جاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث کے مطابق رحمِ مادر میں جنین جب چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو اُس میں وہ روح لا کر پھونک دی جاتی ہے۔ یہ گویا پہلی مرتبہ کا زندہ کیا جانا ہو گیا۔ ہم اِس دنیا میں اپنے جسد کے ساتھ زندہ ہو گئے' ہمیں پہلی موت کی نیند سے جگا دیا گیا۔ اب ہمیں جو موت آئے گی وہ ہماری دوسری موت ہو گی اور اس کے نتیجے میں ہمارا جسد وہیں چلا جائے گا جہاں سے آیا تھا (یعنی مٹی میں) اور ہماری روح بھی

جہاں سے آئی تھی وہیں واپس چلی جائے گی۔ یہ فلسفہ وحکمتِ قرآنی کا بہت گہرا نکتہ ہے۔

آیت ۲۹ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ ''وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ بھی زمین میں ہے۔''

اس آیت میں خلافت کا مضمون شروع ہو گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ((اِنَّمَا الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ)) ''یہ دنیا تمہارے لیے بنائی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے بنائے گئے ہو۔'' اگلی آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی کا ذکر ہے۔ گویا زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے وہ انسان کی خلافت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ ''پھر وہ متوجہ ہوا آسمانوں کی طرف اور انہیں ٹھیک ٹھیک سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا۔''

یہ آیت تا حال آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ سات آسمانوں کی کیا حقیقت ہے' ہم ابھی تک پورے طور پر اس سے واقف نہیں ہیں۔

﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ ''اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

اُسے ہر شے کا علمِ حقیقی حاصل ہے۔

❁ ❁ ❁

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کی تازہ ترین تالیف

تعارفِ قرآن

مع

عظمتِ قرآن

❁ سفید کاغذ ❁ عمدہ طباعت ❁ دیدہ زیب ٹائٹل

❁ صفحات : 176 ❁ قیمت : 90 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

نظر ثانی: حافظ محمد زبیر

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۱۸۹

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

و ق ت

وَقَتَ (ض) وَقْتًا: کسی کام کے کرنے کے زمانے کی سرحد مقرر کرنا' وقت مقرر کرنا۔

وَقْتٌ (اسم ذات): زمانے کی طے شدہ سرحد' وقت۔ ﴿فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝﴾ (الحجر) ''پس بیشک تو مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے' معلوم وقت کے دن تک۔''

مَوْقُوْتٌ (اسم المفعول): مقرر کیا ہوا وقت۔ ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝﴾ (النساء) ''بیشک نماز مؤمنوں پر مقرر کیے ہوئے وقت پر فرض ہے۔''

مِيْقَاتٌ ج مَوَاقِيْتُ (مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم آلہ): کسی کام کے کرنے کی سرحد کو شناخت کرنے کا آلہ: (۱) طے شدہ وقت۔ (۲) نشان زدہ جگہ۔ ﴿فَجُمِعَ السَّحَرَةُ

لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (الشعراء) ''تو جمع کیے گئے سب جادوگر ایک معلوم دن کے طے شدہ وقت پر۔'' ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا﴾ (الاعراف:۱۴۳) ''اور جب آئے موسیٰ ہماری طے شدہ جگہ پر۔''

وَقَّتَ (تفعیل) تَوْقِيْتًا :مقررہ وقت یا جگہ پر جمع کرنا' اکٹھا کرنا۔ ﴿وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴾ (المرسلت) ''اور جب تمام رسول جمع کیے جائیں گے''۔ ''اُقِّتَتْ'' اصل میں ''وُقِّتَتْ'' تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب واؤ کسی کلمہ کے شروع میں آ رہی ہو اور اس کا ضمہ لازم ہو تو اُسے ہمزہ سے بدلا جا سکتا ہے۔ اسی بناء پر ''وُجُوْهٌ'' کو ''اُجُوْهٌ'' پڑھنا جائز ہے۔

ترکیب :''يَسْئَلُوْنَ'' فعل ہے۔ اس کا فاعل ''هُمْ'' کی ضمیر ہے اور مفعول ''كَ'' کی ضمیر ہے۔ ''هِيَ'' مبتدا ہے۔ ''مَوَاقِيْتُ'' اس کی خبر ہے' جبکہ ''لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ'' متعلق خبر ہے۔ ''اَلْحَجِّ'' کی جر بتا رہی ہے کہ یہ ''لِلنَّاسِ'' کے حرف جارہ ''لِ'' کے زیر اثر ہے۔ ''لَيْسَ'' کا اسم ''اَلْبِرُّ'' ہے اور ''بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ'' پورا جملہ اس کی خبر ہے' جبکہ ''مِنْ ظُهُوْرِهَا'' متعلق فعل ہے۔ ''لٰكِنَّ'' کا اسم ''اَلْبِرَّ'' ہے اور ''مَنْ'' اس کی خبر ہے جو کہ مضاف الیہ ہے۔ اس کا مضاف ''بِرُّ'' محذوف ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہوتا ''وَلٰكِنَّ الْبِرَّ بِرُّ مَنْ'' (اور لیکن (بلکہ) اصل نیکی اس کی نیکی ہے جس نے)۔ ''اَلْبِرُّ'' اور ''اَلْبِرَّ'' دونوں پر لام جنس ہے۔

ترجمہ:

يَسْئَلُوْنَكَ :وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے	عَنِ الْاَهِلَّةِ :باریک چاندوں کے بارے میں
قُلْ :آپؐ کہہ دیجیے کہ	هِيَ :یہ
مَوَاقِيْتُ : زمانے کی سرحدوں کو شناخت کرنے کے ذریعے ہیں	لِلنَّاسِ :لوگوں کے لیے
وَالْحَجِّ :اور حج کے لیے	وَلَيْسَ الْبِرُّ :اور یہ اصل نیکی نہیں ہے
بِاَنْ تَاْتُوا :کہ تم لوگ آؤ	الْبُيُوْتَ :گھروں میں
مِنْ ظُهُوْرِهَا :ان کے پچھواڑوں سے	وَلٰكِنَّ الْبِرَّ :اور لیکن (بلکہ) اصل نیکی
مَنِ :اس کی ہے جس نے	اتَّقٰى :تقویٰ اختیار کیا
وَاْتُوا :اور تم لوگ آؤ	الْبُيُوْتَ :گھروں میں

مِنْ اَبْوَابِهَا : ان کے دروازوں سے وَاتَّقُوا اللّٰهَ : اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ : شاید کہ تم لوگ فلاح پاؤ

نوٹ (۱) : چاند کا گھٹنا بڑھنا ایک ایسا منظر ہے جس نے ہر زمانے میں انسان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ اس لیے اس کے متعلق طرح طرح کے اوہام دنیا میں رائج رہے ہیں اور اب تک رائج ہیں' جن کا خلاصہ یہ ہے کہ چاند میں کمی وبیشی کا کوئی اثر انسان کی قسمت پر پڑتا ہے۔ اہل عرب میں بھی ایسے اوہام پائے جاتے تھے جن کی حقیقت نبی اکرم ﷺ سے دریافت کی گئی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک قدرتی کیلنڈر ہے۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ (۲) : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوالات بہت کم کیے ہیں' اور ان کے جن سوالات کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہ کل چودہ ہیں' جن میں ایک سوال اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ ہے' دوسرا یہ ہے' اور ان کے بعد سورۃ البقرۃ میں ہی چھ سوال اور مذکور ہیں' جبکہ باقی چھ سوالات مختلف سورتوں میں آئے ہیں۔ (معارف القرآن)

نوٹ (۳) : اس آیت کے ''لَيْسَ الْبِرُّ'' والے جزو سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس چیز کو اسلام نے عبادت یا ضروری قرار نہیں دیا اسے اپنی طرف سے ضروری یا عبادت سمجھ لینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے۔ بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ (معارف القرآن)

آیت ۱۹۰

﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝﴾

ترکیب : ''قَاتِلُوْا''، فعل امر ہے۔ اس کا فاعل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے' جبکہ ''الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ'' پورا جملہ اس کا مفعول ہے۔ ''فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ''، متعلق فعل ہے۔ ''اِنَّ'' کا اسم لفظ ''اللّٰهَ'' ہے اور ''لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ'' پورا جملہ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ:

وَقَاتِلُوْا : اور تم لوگ قتال کرو فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ : اللہ کی راہ میں

الَّذِيْنَ :ان لوگوں سے جو	يُقَاتِلُوْنَكُمْ :قتال کرتے ہیں تم لوگوں سے
وَلَا تَعْتَدُوْا :اور زیادتی مت کرو	اِنَّ اللّٰهَ :بیشک اللہ
لَا يُحِبُّ :محبت نہیں کرتا	الْمُعْتَدِيْنَ :زیادتی کرنے والوں سے

آیت ۱۹۱

﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾

ث ق ف

ثَقِفَ (س) ثَقْفًا: (۱) مہارتِ نگاہ سے کسی چیز کا ادراک کرنا' کسی چیز کو پالینا۔ آیت زیر مطالعہ۔ (۲) کامیاب ہونا' کسی کو جا پکڑنا۔ ﴿اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۗءً﴾ (المُمتحنة:۲) ''اگر وہ لوگ پکڑ پائیں تم کو تو وہ لوگ ہو جائیں گے تمہارے دشمن۔''

ترکیب: اس آیت میں ''هُمْ'' کی ضمیریں گزشتہ آیت کے ''الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ'' کے لیے ہیں۔ ''اَلْفِتْنَةُ'' مبتدأ ہے اور اس کے بعد ''فِي الدِّيْنِ'' محذوف ہے۔ ''اَشَدُّ'' تفضیل بعض ہے اور خبر ہے۔ ''فِيْهِ'' میں ''هُ'' کی ضمیر مسجد حرام کے لیے ہے۔ ''فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ'' کے بعد ''فِيْهِ'' محذوف ہے۔ ''جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ'' مرکب اضافی ہے اور مبتدأ مؤخر ہے۔

ترجمہ:

وَاقْتُلُوْهُمْ :اور تم لوگ قتل کرو اُن کو	حَيْثُ :جہاں کہیں
ثَقِفْتُمُوْهُمْ :تم لوگ پاؤ ان کو	وَاَخْرِجُوْهُمْ :اور نکالو اُن کو
مِّنْ حَيْثُ :جہاں سے	اَخْرَجُوْكُمْ :انہوں نے نکالا تم کو
وَالْفِتْنَةُ :اور آزمائش (دین میں)	اَشَدُّ :زیادہ شدید ہے
مِنَ الْقَتْلِ :قتل سے	وَلَا تُقٰتِلُوْ :اور تم لوگ جنگ مت کرو
هُمْ :ان سے	عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ :مسجد حرام کے پاس

حَتّٰی : یہاں تک کہ　　یُقٰتِلُوْکُمْ : وہ لوگ جنگ کریں تم سے

فِیْہِ : اس میں　　فَاِنْ : پس اگر

قٰتَلُوْکُمْ : وہ لوگ جنگ کریں تم سے (اس میں)　　فَاقْتُلُوْھُمْ : تو تم لوگ قتل کرو ان کو (اس میں)

کَذٰلِکَ : اس طرح　　جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ : کافروں کی جزا ہے

نوٹ (۱) : مکّہ میں مسلمان کمزور تھے تو انہیں حکم دیا گیا تھا کہ مخالفین کے ظلم پر صبر کریں اور ثابت قدم رہیں۔ اس حکم میں پہلی ترمیم سورۃ الحج کی آیت ۳۹ میں نازل ہوئی جس میں مخالفین سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا آیات (۱۹۰'۱۹۱) میں ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے' لیکن بچوں' بوڑھوں' عورتوں اور زخمیوں پر ہاتھ اٹھانے' کھیتوں اور مویشیوں کو تباہ کرنے اور اسی قسم کے دوسرے وحشیانہ افعال کی اجازت نہیں ہے۔ یہ سب ''زیادتی کرنے'' کی تعریف میں آتے ہیں اور حدیث میں ان سب کی ممانعت آئی ہے۔

نوٹ (۲) : بات جنگ کرنے کے حکم سے شروع ہوئی ہے۔ اس لیے ''حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ'' کے حکم کا اطلاق ان لوگوں پر ہوگا جن کے خلاف اعلانِ جنگ ہوا اور جو جنگ میں حصہ لے رہے ہوں۔ عام حالات میں کسی غیر مسلم پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جزیرہ نمائے عرب کے باہر مفتوحہ علاقوں میں خلفاء راشدین کا طرزِ عمل اس بات کی سند ہے۔

نوٹ (۳) : فتنہ ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اس آیت میں یہ لفظ جس مفہوم میں استعمال ہوا ہے' اسے سمجھ لیں۔ کوئی قوم رائج الوقت نظریات کی جگہ اپنے عقائد و نظریات سے اپنے نظامِ حیات کی اصلاح کی جب کوشش کرتی ہے تو رائج الوقت نظریات کے ٹھیکیدار اس کا مقابلہ بالعموم دلائل کے بجائے جبر سے کرتے ہیں۔ یہ جبر خواہ معاشی ناکہ بندی (sanctions) کی شکل میں ہو' ہتھیاروں کے استعمال کی شکل میں ہو یا تشدد (persecution) کی کوئی بھی شکل ہو' ان سب کو یہاں فتنہ کہا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فتویٰ یہ ہے کہ persecution قتل سے زیادہ گھناؤنا جرم ہے' اس لیے اس نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ persecution کے مقابلے کے لیے جوابی کارروائی کریں' خواہ اس کے لیے ہتھیار ہی کیوں نہ اٹھانے پڑیں۔ اس جوابی کارروائی کو دہشت گردی قرار دینا ذہنی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے۔

آیت ۱۹۲

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾﴾

ن ھ ی

نَهٰى (ف) نَهْيًا : (۱) کسی کام سے منع کرنا' روکنا۔ (۲) ذہین ہونا' زیرک ہونا (تاکہ صحیح چیز سے روکے)۔ ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ﴾ (العنکبوت:٤٥) ''بے شک نماز روکتی ہے بے حیائیوں سے اور برائی سے۔''

اِنْهَ (فعل امر) :تو منع کر' تو روک۔ ﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (لقمن:١٧) ''تو ترغیب دے نیکی کی اور منع کر برائی سے۔''

نَاهٍ (اسم الفاعل) : منع کرنے والا۔ ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (التوبۃ:١١٢) ''ترغیب دینے والے نیکی کی اور منع کرنے والے برائی سے۔''

نُهٰى (اسم ذات) : ذہانت' فراست۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾﴾ (طٰہٰ) ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ذہانت والوں کے لیے۔''

تَنَاهٰى (تفاعل) تَنَاهِيًا : باہم ایک دوسرے کو روکنا۔ ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ﴾ (المائدۃ:٧٩) ''وہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں روکا کرتے تھے کسی برائی سے۔''

اِنْتَهٰى (افتعال) اِنْتِهَاءً : اہتمام سے خود کو منع کرنا' رک جانا' باز آنا۔ ﴿اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ﴾ (الانفال:٣٨) ''اگر وہ لوگ باز آجائیں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا۔''

اِنْتَهِ (فعل امر) :تو باز آ۔ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ﴾ (النساء:١٧١) ''اور تم لوگ مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں۔ تم لوگ باز آؤ' تمہارے لیے بہتر ہے۔''

مُنْتَهٍ (اسم الفاعل) : رکنے والا' باز آنے والا۔ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾﴾ (المائدۃ) ''تو کیا تم لوگ باز آنے والے ہو؟''

مُنْتَهٰى (اسم المفعول ہے جو ظرف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) : رکنے کی جگہ۔ ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾﴾ (النجم) ''رکنے کے بیری کے درخت کے پاس۔''

ترکیب : ''فَاِنِ انْتَهَوْا'' شرط ہے اور ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' جوابِ شرط ہے۔ ''اِنْتَهَوْا'' فعل ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے' اس لیے اس پر حرفِ شرط ''اِنْ'' نے کوئی عمل نہیں کیا۔

ترجمہ:

فَاِنِ : پس اگر	انْتَهَوْا : وہ لوگ باز آ ئیں
فَاِنَّ اللّٰهَ : تو یقیناً اللہ	غَفُوْرٌ : بے انتہا بخشنے والا ہے
رَّحِيْمٌ : ہر حال میں رحم کرنے والا ہے	

نوٹ (۱) : باز آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی پوجا پاٹ سے باز آ جائیں' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی تشدد کی روش سے باز آ جائیں تو چونکہ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے اس لیے تم بھی ان سے کچھ نہ کہو اور انہیں معاف کر دو۔

آیت ۱۹۳

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۱۹۳ ﴾

ترکیب : ''حَتّٰی'' کے بعد ''اَنْ'' مقدر ہے جس کی وجہ سے ''لَا تَكُوْنَ'' منصوب ہے اور یہ ''كَانَ'' تامہ ہے۔ ''فِتْنَةٌ'' اس کا فاعل ہے۔ ''يَكُوْنَ'' کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ ''تَكُوْنَ'' پر عطف ہے۔ یہ ''كَانَ'' ناقصہ ہے اور ''اَلدِّيْنُ'' اس کا اسم ہے۔ ''لِلّٰهِ'' متعلق خبر محذوف ہے۔ ''فَلَا عُدْوَانَ'' پر لائے نفی جنس ہے اور یہ مبتدأ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ ''وَاجِبٌ'' یا ''ثَابِتٌ'' ہو سکتی ہے۔ قائم مقام خبر ''عَلَيْهِمْ'' بھی محذوف ہے۔ ''اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ'' اس کا استثناء ہے۔

ترجمہ:

وَقٰتِلُوْهُمْ : اور تم لوگ جنگ کرو ان سے	حَتّٰى : یہاں تک کہ
لَا تَكُوْنَ : نہ ہو	فِتْنَةٌ : کوئی تشدد
وَّيَكُوْنَ : اور (یہاں تک کہ) ہو	الدِّيْنُ : نظامِ حیات
لِلّٰهِ : اللہ کے لیے	فَاِنِ انْتَهَوْا : پھر اگر وہ لوگ باز آ جائیں
فَلَا عُدْوَانَ : تو کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں ہے (ان پر)	اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ : مگر ظلم کرنے والوں پر

نوٹ (۱) : اوپر ترکیب میں ''كَانَ'' تامہ کی بات ہوئی ہے' اسے سمجھ لیں۔ ''كَانَ'' افعالِ ناقصہ میں سے ہے۔ اس لیے عام طور پر اس کا ایک اسم اور ایک خبر ہوتی ہے' تب بات

مکمل ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کا صرف اسم ہوتا ہے اور خبر کوئی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں ''کَانَ'' فعل ہوتا ہے اور اس کا اسم دراصل اس کا فاعل ہوتا ہے اور فعل فاعل مل کر بات مکمل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ ایسے ''کَانَ'' کو ''کَانَ تامّہ'' کہتے ہیں۔

نوٹ (۲) : ''لَا تَكُوْنَ'' کا فاعل اگر ''اَلْفِتْنَةُ'' ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں پر جو تشدد ہو رہا ہے وہ ختم ہو جائے۔ لیکن یہاں پر ''فِتْنَةٌ'' نکرہ لا کر ہدایت کی گئی ہے کہ جنگ کر کے جس تشدد کو تم نے ختم کیا ہے' اب غالب ہونے کے بعد خود اس کا ارتکاب مت کرنا۔ اس لیے مذہب کی بنیاد پر کسی غیر مسلم پر کسی قسم کا تشدد جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈبل اسٹینڈرڈ میڈ ان یو۔ ایس۔ اے کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مذہبی تشدد اگر نا جائز ہے تو پھر نظامِ حیات اللہ کے لیے ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ غلبہ حاصل کرنے کے بعد اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے Personal Laws ان کے عقائد و نظریات کے مطابق ہی رہیں گے اور انہیں ان پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔ جبکہ دین اللہ کے لیے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک کے Public Laws قرآن و سنت کے مطابق ہوں گے۔

نوٹ (۳) : ''فَلَا عُدْوَانَ'' میں اصل ہدایت یہ ہے کہ غلبہ حاصل کرنے کے بعد مغلوب مخالفین کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کی جائے۔ البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جن کے جرائم کی نوعیت زیادہ سنگین اور فہرست طویل ہو۔ جنگ بدر کے تمام جنگی قیدی رہا کیے گئے' لیکن دو کو قتل کیا گیا۔ فتح مکہ میں عام معافی کے اعلان کے ساتھ سترہ افراد کو مستثنیٰ قرار دیا گیا جن میں سے چار قتل بھی کیے گئے۔

آیت ۱۹۴

﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

ترکیب : ''اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ'' مبتدأ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ ''قَائِمٌ'' ہو سکتی ہے۔ ''بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''اَلْحُرُمٰتُ'' مبتدأ ہے اور ''قِصَاصٌ'' خبر ہے۔ ''قِصَاصٌ'' واحد' تثنیہ' جمع سب کے لیے آتا ہے' کیونکہ مبتدأ اور خبر

میں عدد کی مناسبت اس صورت میں ضروری ہوتی ہے جبکہ مبتدأ اور خبر دونوں اسم مشتق ہوں۔
''فَمَنِ اعْتَدٰی'' شرط ہے ''فَاعْتَدُوْا'' جواب شرط ہے۔

ترجمہ:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ :محترم مہینہ	بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ :محترم مہینے سے ہے
وَالْحُرُمٰتُ :اور تمام محترم چیزیں	قِصَاصٌ :بدلہ ہیں
فَمَنِ :پس جو	اعْتَدٰی :زیادتی کرے
عَلَيْكُمْ :تم لوگوں پر	فَاعْتَدُوْا :تو تم لوگ (بھی) زیادتی کرلو
عَلَيْهِ :اس پر	بِمِثْلِ مَا :اُس جیسی سے جو
اعْتَدٰی :اس نے زیادتی کی	عَلَيْكُمْ :تم لوگوں پر
وَاتَّقُوا اللّٰهَ :اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو	وَاعْلَمُوْٓا :اور جان لو
اَنَّ اللّٰهَ :کہ اللہ	مَعَ الْمُتَّقِيْنَ :متقی لوگوں کے ساتھ ہے

نوٹ (۱) : آیت کے شروع میں اصولی بات عربی محاورہ میں بیان کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مہینے کا احترام اس کا احترام کرنے سے ہوتا ہے اور ہر احترام دراصل بدلہ ہوتا ہے۔ یعنی ایک فریق کسی محترم چیز کا جتنا احترام کرے گا اتنا ہی دوسرا فریق بھی کرے گا۔ اگر ایک فریق احترام نہ کرے تو دوسرے فریق سے بھی احترام کی پابندی ختم ہو جاتی ہے۔ آگے پھر اسی کی وضاحت ہے۔

آیت ۱۹۵

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

ھ ل ك

هَلَكَ (ض) هَلَاكًا :(۱) تباہ و برباد ہونا۔ (۲) کسی جاندار کا مردہ ہونا' مرنا' ہلاک ہونا۔ ﴿هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝﴾ (الحاقة) ''تباہ و برباد ہوئی (یعنی جاتی رہی) مجھ سے میری قوت''۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ﴾ (المؤمن:۳٤) ''یہاں تک کہ جب اُن کا انتقال ہوا تو تم لوگوں نے کہا ہرگز نہیں بھیجے گا اللہ ان کے بعد کوئی

رسول''۔

هَالِكٌ (اسم الفاعل) : ہلاک ہونے والا' تباہ و برباد ہونے والا۔ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ (القصص:۸۸) ''ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔''

مَهْلِكٌ (اسم الظرف) : ہلاک ہونے کی جگہ یا وقت۔ ﴿مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ﴾ (النمل:۴۹) ''ہم موجود نہیں تھے اس کے گھر والوں کے ہلاک ہونے کے وقت۔''

تَهْلُكَةٌ (اسم ذات) : تباہی' بربادی' ہلاکت۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَهْلَكَ (افعال) **اِهْلَاكًا** : تباہ و برباد کرنا' ہلاک کرنا۔ ﴿اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ (البلد) ''میں نے برباد کیا ڈھیروں مال۔'' ﴿لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ (الاعراف:۱۵۵) ''اگر تو چاہتا تو ہلاک کرتا ان کو اس سے پہلے۔''

مُهْلِكٌ (اسم الفاعل) : برباد کرنے والا' ہلاک کرنے والا۔ ﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴾ (الانعام) ''یہ اس لیے کہ نہیں ہے تیرا ربّ بستیوں کا ہلاک کرنے والا ظلم سے اس حال میں کہ اس کے لوگ غافل ہوں۔''

ترکیب : انفاق کا لفظ مال خرچ کرنے کے لیے ہی آتا ہے اس لیے ''اَنْفِقُوْا'' کا مفعول محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیاق و سباق کے لحاظ سے اس آیت میں ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' سے مراد جہاد ہے اس لیے اس کے بعد ''لِلْجِهَادِ'' محذوف مانا جائے گا۔ ''وَلَا تُلْقُوْا'' کا مفعول ''اَنْفُسَكُمْ'' محذوف ہے' جبکہ ''اَمْوَالَكُمْ'' کو محذوف ماننے کی بھی گنجائش ہے۔

ترجمہ:

وَاَنْفِقُوْا : اور تم لوگ مال خرچ کرو	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے)
وَلَا تُلْقُوْا : اور تم لوگ مت پھینکو (اپنے آپ کو)	بِاَيْدِيْكُمْ : اپنے ہاتھوں سے
اِلَى التَّهْلُكَةِ : بربادی کی طرف	وَاَحْسِنُوْا : اور تم لوگ بلا کم و کاست کام (جہاد) کرو
اِنَّ اللّٰهَ : یقیناً اللہ	يُحِبُّ : محبت کرتا ہے

الْمُحْسِنِيْنَ : بلاکم وکاست کام کرنے
والوں سے

نوٹ (۱): مسلمانوں میں کچھ تربیت یافتہ پہلوان پائے جاتے ہیں جو قرآن کے ساتھ کشتی لڑتے ہیں۔ ایسے لوگ اس آیت میں ''وَلَا تُلْقُوْا'' کے بعد ''اَنْفُسَكُمْ'' کے بجائے ''اَمْوَالَكُمْ'' کو محذوف مانتے ہیں اور مطلب یہ نکالتے ہیں کہ جہاد کے لیے خرچ کر کے اپنا مال تباہی کی طرف مت پھینکو۔ یہ کھلی اور ننگی جہالت' بددیانتی اور دھوکہ دہی ہے۔ ان کی اتنی بات تو درست ہے کہ گرامر کے لحاظ سے یہاں ''اَمْوَالَكُمْ'' کو محذوف ماننے کی گنجائش ہے' لیکن ایسی صورت میں اس آیت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جہاد کے لیے مال خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے مال کو تباہی کی طرف مت پھینکو' یعنی اگر جہاد پر خرچ نہیں کرو گے تو تمہارا مال تباہ ہو جائے گا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جو قومیں جہاد ترک کر دیتی ہیں وہ خود بھی تباہ و برباد ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا مال بھی مٹی ہو جاتا ہے۔

نوٹ (۲): اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی دوسرے حقوق فرض ہیں (یعنی ان کے مال میں)' مگر وہ نہ دائمی ہیں اور نہ ان کے لیے کوئی نصاب متعین ہے' بلکہ جب اور جتنی ضرورت ہو اُس کا انتظام کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ (معارف القرآن)۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس آیت میں ہلاکت سے مراد ترک جہاد ہے' اسی لیے انہوں نے ساری عمر جہاد میں صرف کر دی اور قسطنطنیہ میں شہید ہو کر وہیں مدفون ہوئے۔ (معارف القرآن)

تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا نقیب
غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کا حدی خواں
ماہنامہ میثاق لاہور
مدیر مسئول: ڈاکٹر اسرار احمد
قیمت فی شمارہ: 15 روپے سالانہ زرِتعاون (اندرون ملک) 150 روپے

یَقْطِین

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

عربی: الدّبّاء (واحد دبّاء ة)' القرع (واحد قَرْعَة) ' الیقطین (واحد یقطینة)

فارسی: کدّو	کشمیری: آل
اردو ٔہندی: لوکی	لاطینی: Cucurbita
گجراتی: دودھی	نباتاتی نام: Lagenaria siceraria standi
بنگالی: لَو	خاندانی نام: Cucurbitacease

''یَقْطِین'' کا ذکر قرآن مجید میں صرف ایک بار ٔسورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۱۴۶ میں آیا ہے۔ سیاقِ کلام ملاحظہ ہو:

﴿وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ﴿۱۴۶﴾﴾

''اور یقیناً یونسؑ بھی رسولوں میں سے تھا۔ یاد کرو جب وہ ایک بھری کشتی کی طرف بھاگ نکلا۔ پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوا اور اس میں مات کھائی۔ آخر کار مچھلی نے اُسے نگل لیا اور وہ ملامت زدہ تھا۔ اب اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو روزِ قیامت تک اُسی مچھلی کے پیٹ میں رہتا۔ آخر کار ہم نے اسے بڑی سقیم حالت میں ایک چٹیل زمین پر پھینک دیا اور اُس پر ایک بیل دار درخت اُگا دیا۔''

اگرچہ لفظ یقْطِین عربی زبان میں ہر اُس پودے کو کہتے ہیں جو اپنی ڈنٹھل پر کھڑا نہ ہو' جیسے تربوز' ککڑی اور کھیرا وغیرہ' لیکن یہ لفظ خاص طور پر کدّو کے لیے مستعمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

﴿وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ﴾ (الصّٰفّٰت)

''اور ہم نے اُس پر ایک بیل دار درخت اُگا دیا۔''

ممکن ہے یہ اعتراض پیدا ہو کہ جو پودا اپنی ڈنٹھل پر کھڑا نہیں ہوتا اُس کو تو نجم کہتے ہیں' اُس کو شجر نہیں کہتے' کیونکہ شجر تو اُس پودے کو کہتے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑا ہو۔ لیکن اہل لغت اس کے قائل ہیں۔ پھر ارشادِ باری تعالیٰ ﴿شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ﴾ میں لفظ ''شجرۃ'' لغت کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے؟

قرآن مجید میں ''یقطین'' کا جو ذکر ہے اُس سے مراد کدّو کا درخت ہے۔ اس کے پھل کو ''کدّو'' اور ''لوکی'' کہتے ہیں اور اس کے درخت کو یقطین کہتے ہیں۔

عربی میں کدّو کے لیے الدّبّاء اور القَرْع کے الفاظ بھی مستعمل ہیں اور احادیث میں زیادہ تر یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے پر مدعو کیا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مَیں بھی گیا۔ داعی نے آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں جَو کی روٹی' خشک گوشت اور کدّو کا بنا ہوا سالن پیش کیا۔ میں نے کھانے کے دوران رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ پیالے کے اردگرد سے کدّو کے قتلے چن چن کر کھا رہے تھے۔ اُسی روز سے میرے دل میں کدّو کی رغبت پیدا ہو گئی۔

ابو طالوت بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آیا' جبکہ وہ کدّو کھا رہے تھے اور کہتے تھے کہ ''اے درخت! تیری کیا حقیقت ہے' میں تو تجھے رسول اللہ ﷺ کے پسند کرنے کی وجہ سے پسند کرتا ہوں۔'' (ترمذی)

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! جب تم کوئی ہانڈی پکانے کے لیے تیار کرو تو اس میں زیادہ مقدار میں کدّو ڈال لو' اس لیے کہ کدّو رنجیدہ دلوں کو مضبوط کرتا ہے۔''

بعض احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھانے پینے کے لیے کدّو سے بنا ہوا پیالہ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

طبّی نقطۂ نظر سے کدّو سرد تر ہوتا ہے۔ یہ معدے سے جلد نیچے اتر کر نیچے کی جانب چلا جاتا ہے اور اگر ہضم ہونے سے پہلے فاسد نہ ہو تو اس سے عمدہ خلط پیدا ہوتی ہے۔ اس کی

خاصیت یہ ہے کہ اس کو جس چیز کے ساتھ استعمال کیا جائے' ہضم ہونے کے بعد اُسی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو رائی کے ہمراہ استعمال کریں تو خلط حریف پیدا ہو گی' اور اگر نمک کے ساتھ کھائیں تو خلط نمکین ہو گی' اور اگر قابض چیز کے ساتھ کھائیں تو قابض خلط میں تبدیل ہو گا اور اگر بہی کے ساتھ اس کو پکا کر کھائیں تو بدن کو عمدہ غذائیت بخشتا ہے۔

کدّو لطیف آبی ہوتا ہے۔ مرطوب بلغمی غذا فراہم کرتا ہے۔ بخار زدہ لوگوں کے لیے نافع ہے۔ سرد مزاج لوگوں کو راس نہیں آتا۔ اسی طرح بلغمی مزاج لوگوں کے لیے موزوں نہیں۔ اس کا پانی تشنگی کو دُور کرتا ہے اور اگر اس کو پیا جائے یا اس سے سر کو دھویا جائے تو گرم سر درد کو ختم کرتا ہے۔ پاخانہ نرم کرتا ہے' خواہ کسی طرح بھی استعمال کیا جائے۔ بخار زدہ لوگوں کے لیے اس جیسی یا اس سے زیادہ زود اثر کوئی دوسری دوا نہیں ہے۔ اگر گوندھے ہوئے آٹے کو اس پر لگا دیں اور چولہے یا تنور میں اس کو بھون کر اُس کے پانی کو لطیف مشروب کے ساتھ استعمال کیا جائے تو بخار کی تیز قسم کی حرارت کو ختم کرتا ہے' تشنگی دُور کرتا ہے اور عمدہ تغذیہ کرتا ہے' اور اگر اس کو ترنجبین اور بہی کے مربے کے ساتھ استعمال کیا جائے تو خالص صفرا کا اسہال کرتا ہے۔

اگر کدّو کو پکا کر اس کو تھوڑا سا شہد اور سہاگا کے ساتھ پیا جائے تو صفرا اور بلغم دونوں کو ایک ساتھ خارج کرتا ہے۔ اگر اس کو پیس کر سر پر مالش کریں تو دماغ کی حرارت کے لیے بے حد مفید ہے۔

اگر کدّو کے چھلکے کو نچوڑ کر اس کا پانی روغنِ گل کے ساتھ آمیز کریں اور اس کو کان میں ٹپکائیں تو کان کی حرارت اور ورم کے لیے نافع ہے۔ اس کا چھلکا آنکھ کے گرم ورم کے لیے بھی مفید ہوتا ہے اور گرم نقرس کو بھی ختم کرتا ہے۔ گرم مزاج اور بخار زدہ لوگوں کے لیے یہ غیر معمولی طور پر نفع بخش ہے۔ اگر معدے میں اس کا مقابلہ کسی ردّی خلط سے ہو جائے تو یہ بھی اُسی ردّی خلط میں تبدیل ہو جاتا ہے اور بدن میں خلط ردّی پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے ضرر کو سرکے اور پودینے کی چٹنی سے دُور کیا جا سکتا ہے۔

قارئین نوٹ فرما لیں کہ ''یقطین'' کے تذکرے پر مشتمل اس مضمون پر ''سلسلۂ نباتاتِ قرآن'' تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔

محض اللہ کے لیے محبت

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسًا مَاھُمْ بِاَنْبِیَاءَ وَلَا شُھَدَاءَ ، یَغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ)) قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تُخْبِرُنَا مَنْ ھُمْ؟ قَالَ : ((ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَھُمْ وَاَمْوَالٍ یَتَعَاطَوْنَھَا، فَوَ اللّٰہِ اِنَّ وُجُوْھَھُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّھُمْ لَعَلٰی نُوْرٍ، لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ)) وَقَرَءَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (رواہ ابوداؤد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء اللہ تعالیٰ سے ان کے خاص مقامِ قرب کی وجہ سے اُن پر رشک کریں گے''۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں بتلا دیجیے کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے، اور بغیر کسی مالی لین دین کے روحِ خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے (بلکہ سراسر نور ہوں گے) اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، اور عام انسانوں کو جس وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے۔ اور جس وقت عام انسان مبتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے۔'' اور اس موقع پر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ ''معلوم ہونا چاہیے کہ جو اللہ کے دوست (اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے) ہیں، ان کو خوف و غم نہ ہوگا''۔

والدین کو اولاد سے الفت ہوتی ہے اور اولاد کو ماں باپ کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ بھائی بہن بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح رشتہ داروں کے درمیان محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ یہ فطری محبت ہے جو انسان کی سرشت میں رکھ دی گئی ہے۔ یہ وہ جبلی محبت ہے جو انسانوں کے علاوہ تمام جانداروں' چرندوں' پرندوں اور درندوں کے درمیان بھی موجود ہے۔ ہر جانور اپنے بچوں سے محبت رکھتا ہے اور بچوں کو بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت جاندار مخلوق کی زندگی کے لیے ناگزیر ضرورت ہے اور ایک جبلی تقاضا ہے۔

ایک محبت وہ ہے جو کسی کے حسن سلوک' ہمدردی' خیر خواہی اور احسان کے نتیجے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص کسی کو خطرے سے نکالتا ہے یا مشکل میں اس کی مدد کرتا ہے یا اس کی کوئی مالی ضرورت پوری کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس محسن کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ محبت ایسی ہے جو نیکوں اور بُروں' فاسقوں' فاجروں' مشرکوں اور کافروں کے درمیان بھی پیدا ہو جاتی ہے' یعنی کسی کا حسن سلوک دوسرے شخص کے اندر محبت بھرے جذبات کے ظہور کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن ایک محبت وہ ہے جس کا باعث نہ تو رشتہ داری کا تعلق ہے اور نہ ہی وہ کسی مالی مدد یا احسان کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو محض اللہ کے دین سے تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ اس محبت میں کسی کا احسان کارفرما نہیں ہوتا' بلکہ یہ تو کسی شخص کی نیک نفسی' زہد و ورع' خدا ترسی اور للّٰہیت سے متاثر ہو کر ظاہر ہوتی ہے۔ یہ پورے طور پر خلوص پر مبنی ہوتی ہے۔ ایسی محبت جو محض اللہ کی خاطر ہو' بڑی قابل قدر اور قیمتی شے ہے۔ ویسے تو ہر وہ عمل جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیا جائے' ربّ العالمین کی خوشنودی کا باعث اور بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوتا ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں' جس کے راوی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس بندے نے بھی اللہ کے لیے کسی بندے سے محبت کی اُس نے اپنے ربّ تعالیٰ ہی کی عظمت و توقیر کی۔ یہ اس لیے کہ جس شخص کو معرفتِ حق حاصل ہوگی' یعنی اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت نقش ہو چکی ہوگی وہی شخص اس مقام پر پہنچ سکے گا جہاں وہ اللہ کے پیاروں کے ساتھ محبت کے جذبات سے سرشار ہوگا اور اس کا مطمحِ نظر محض اللہ کی رضا جوئی ہوگا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لیے ہو اور وہ بغض و

عداوت ہے جو اللہ کے لیے ہو''۔ (سنن ابی داؤد)

قرآن مجید میں ہے کہ ایمان والوں کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہے' اسی لیے جو لوگ محض اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں خالقِ کائنات بھی اُن سے محبت کرتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں اور میری وجہ اور میرے تعلق سے کہیں جڑ کر بیٹھیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (موطا امام مالکؒ)۔ یہ اتنی بڑی بشارت ہے کہ جس بندے کو یہ مل جائے وہ اپنے مقدر پر جتنی بھی خوشی منائے کم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو سب سے سچا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی زیرِ درس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اُن بندوں پر روزِ قیامت انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے جو آپس میں محض اللہ کی خاطر محبت کرتے ہوں گے' نہ ان کے درمیان رشتے ناتے کا تعلق ہوگا اور نہ ہی کوئی مالی لین دین کا معاملہ ہوگا۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ حدیث کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں کہ ان متحابین کا مقام جنت میں انبیاء و شہداء سے افضل ہو جائے گا' بلکہ ان لوگوں کو اتنا اونچا مقام ملے گا کہ انبیاء و شہداء بھی تعجب کریں گے کہ یہ لوگ اس قدر بلند درجے تک پہنچ گئے ہیں!

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج جبکہ میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہے' میں اپنے ان بندوں کو اپنے عرش کے نیچے سایہ دوں گا۔''

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جن سات خوش نصیبوں کو قیامت کے دن عرش کا سایہ دینے کا وعدہ کیا ہے اُن میں ایک وہ بھی ہیں جو آپس میں اللہ کے لیے محبت کا تعلق رکھتے ہوں۔ قیامت کا دن وہ دن ہوگا جس دن سورج کی حرارت شدید ترین ہوگی اور دھوپ کی گرمی سے بچنے کے لیے کہیں کوئی سایہ نہ ہوگا اور ہر شخص پر انتہا درجے کا خوف طاری ہوگا۔ ان حالات میں متحابین کی کیفیت یہ ہوگی کہ ان کے چہرے منور ہوں گے' وہ نورانی منبروں پر بیٹھے ہوں گے' خوشگوار سائے سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے اور اُن پر کسی طرح کا کوئی غم اور حزن طاری نہ ہوگا۔ گویا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید میں یہ

الفاظ آئے ہیں کہ: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''یاد رہے کہ جو اللہ کے دوست (اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے) ہیں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ کو اپنے فرمانبردار' عبادت گزار اور بلند کردار لوگوں سے محبت ہے۔ پس جو لوگ ان قدسی صفات مردانِ حق کے ساتھ محبت رکھتے ہیں وہ اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں' کیونکہ دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''ایک شخص اپنے ایک بھائی سے ——— جو ایک دوسری بستی میں رہتا تھا ——— ملاقات کے لیے چلا' تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گزر پر ایک فرشتے کو منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ (جب وہ شخص اس مقام سے گزرا' تو) فرشتے نے اُس سے پوچھا: تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا: میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا: کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے' اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لیے جا رہے ہو؟ اُس بندے نے کہا: نہیں! میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لیے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لیے جا رہا ہوں) فرشتے نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لیے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے' جیسا کہ تم اللہ کے لیے اس کے اس بندے سے محبت کرتے ہو۔'' (صحیح مسلم)

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا!

جو شخص محض اللہ کی خاطر محبت کے جذبات لے کر اپنے مسلمان بھائی کو ملنے جا رہا تھا اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے اس کو اپنی محبت کی خوشخبری سنائی۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اللہ کے ساتھ محبت کے زبانی دعووں کی کوئی حیثیت نہیں' محبت وہ ہے جس کے نتیجے میں اطاعت پیدا ہو۔ خدا کا محبوب بننے کے لیے اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت پر پورے ذوق وشوق کے ساتھ عمل کرنا ہی رضائے الٰہی کے مقام پر فائز ہونا ہے۔ ○○

عبادت اور استعانت
کی قرآنی اصطلاحات
صحیح مفہوم اور تقاضے

تحریر: پروفیسر عاصم نعیم ☆

قرآن مجید بنی نوعِ انسان کے لیے آخری ہدایت نامہ ہے جو انسانوں کی راہنمائی اور ان کی حقیقی فلاح و کامرانی کے لیے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے قلبِ منیر پر پروردگارِ عالم نے نازل فرمایا ہے۔ یہ کتاب علم و معرفت کا وہ آفتابِ عالم تاب ہے جس میں زندگی کی حرارت اور ہدایت کا نور دونوں یکجا ہیں۔ یہ کتاب شریعت، اسلامیہ کا ماخذ' اسلامی تعلیمات کی اساس اور دینِ حنیف کا سرچشمہ ہے۔ یہی کتابِ اُمت مسلمہ کے عروج و زوال کا سبب اور دنیا و آخرت میں ان کی فلاح کا معیار ہے۔ اس کی تعلیمات دنیا و عقبیٰ' دونوں میں کامیابی کی ضمانت ہیں۔ اس کتاب سے کما حقہٗ استفادہ کے لیے سنت خیر الانام ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اسلاف سے ثابت شدہ تشریحات و توضیحات راہنما کا کام دیتی ہیں۔

''عبادت'' اور ''استعانت'' قرآن مجید کی اہم اصطلاحات ہیں۔ بعض دینی حلقوں کی طرف سے ان اصطلاحات کا بیان کردہ مخصوص مفہوم اور تعبیرات عقائد و افکار کی متعدد خرابیوں کا موجب ہیں۔ مزید برآں دینی احکام و اوامر پر عمل میں سہل انگاری اور بدعات کا فروغ بھی اسی کا نتیجہ ہے' اس لیے کہ عقائد و افکار کے فساد کا اثر براہِ راست اعمال پر ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص اور اسلاف کی تعلیمات و ارشادات کی روشنی میں عبادت اور استعانت کا صحیح مفہوم اور تقاضے بیان کیے جائیں' تاکہ صحیح افکار و عقائد کی روشنی میں دینِ متین پر عمل کیا جائے اور اس کے ثمرات سے حظِ وافر لیا جائے۔

☆ شعبہ علوم اسلامیہ' یونیورسٹی آف سرگودھا

''عبادت'' اور ''استعانت'' کا مفہوم

قرآن مجید کی افتتاحی سورۃ' سورۃ الفاتحہ میں عبادت اور استعانت کے سلسلے میں واضح تعلیم دی گئی ہے کہ: ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ جس کا معنی مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں' تیرے سوا کسی سے نہیں مانگتے''۔(۱)

علامہ ابن کثیر اور بعض اسلاف سے منقول ہے کہ:

"الفاتحة سرّ القرآن وسرّها هذه الكلمة :اياك نعبد واياك نستعين" (۲)

''سورۃ الفاتحہ تمام قرآن کا مغز ہے اور الفاتحہ کا مغز ''ایاك نعبد واياك نستعين'' ہے''۔

معروف عربی لغت ''المنجد'' میں عِبادۃً وعُبُودیۃً وَعُبُودۃً ومَعْبَدًا ومَعْبَدۃً کا معنی ''اللہ کو ایک جاننا' عبادت کرنا' خدمت کرنا' ذلیل ہونا' فرماں بردار ہونا' خشوع وخضوع کرنا' غلام بننا'' لکھا ہے۔(۳)

مفسرین نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے: ''کسی کی انتہائی تعظیم ومحبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار کرنا''۔(٤)

اس طرح عبادت کے مفہوم میں دو چیزیں داخل ہیں: ایک انتہائی عاجزی اور ذلت' دوسرا غایتِ تعظیم۔ تاہم یہ دونوں چیزیں اس اعتقاد وشعور کے ساتھ کی جائیں کہ عبادت کے لائق ہستی کو غائبانہ تصرف اور قدرت حاصل ہے جس سے وہ نفع ونقصان پر قادر ہے' کیونکہ معبود صرف وہی ہوسکتا ہے جس میں دو صفتیں موجود ہوں:

(۱) وہ عالم الغیب ہو' کائنات کا ذرہ ذرہ اُس پر منکشف ہو' زمین وآسمان کی ساری مخلوق کے ظاہر وباطن' سرّ وعلانیہ کو وہ اچھی طرح جانتا ہو۔

(۲) وہ مالک ومختار' متصرف فی الامور اور اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں اپنے لیے استحقاقِ عبادت و دُعا کا ذکر فرمایا ہے وہاں اپنی انہی دو صفتوں کو اس کی علت قرار دیا ہے' اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عبادت وپکار کی نفی کی ہے وہاں غیر سے ان دونوں صفتوں کی نفی فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ

وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴿۶۸﴾ وَرَبُّکَ یَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُھُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ﴿۶۹﴾
وَھُوَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ ز وَلَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ
تُرْجَعُوْنَ﴿۷۰﴾﴾ (القصص)

''اور تیرا ربّ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (وہ خود ہی اپنے کام کے لیے جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے۔ یہ انتخاب اِن لوگوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ تیرا ربّ جانتا ہے جو اُن کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہی اللہ ہے' اس کے سوا کوئی معبود بننے کے لائق نہیں۔ دُنیا و آخرت میں تمام صفاتِ کارسازی کا مستحق وہی ہے' اسی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جانے والے ہو''۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ فَاعْبُدْہُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْہِ ؕ وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۳﴾﴾ (ھود)

''آسمانوں اور زمین میں جتنی بھی غیب کی باتیں ہیں ان سب کا علم صرف اللہ کو ہے' اور سب امور اسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں' پس تم اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ تمہارا ربّ ان باتوں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو''۔

ان کے علاوہ آیۃ الکرسی اور دوسری کئی آیتوں میں بھی یہ مضمون وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کر کے یہ اعلان فرمایا ہے کہ جب عالم الغیب اور متصرف و مختار اللہ ہے تو معبود بننے اور پکارے جانے کے لائق بھی صرف اللہ ہے۔ تمام صفاتِ کارسازی اُسی کے ساتھ مخصوص ہیں' لہٰذا تم اُسی کی عبادت کرو' اُسی کے آگے جھکو اور اُسی سے مانگو جو کچھ بھی مانگو۔ چنانچہ علامہ ابن القیم الجوزیہؒ نے عبادت کی تعریف کو ایک جامع تعبیر سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بان للمعبود سلطة غيبية يقدر بها على النفع والضرر فكل ثناء ودعاء وتعظيم يصاحبه هذا الاعتقاد والشعور فهي عبادة [۵]

''یعنی عبادت اس اعتقاد اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع و نقصان پر قادر ہے۔ اس لیے ہر تعریف' ہر پکار اور ہر تعظیم جو اِس مذکورہ اعتقاد و شعور کے ساتھ ہو عبادت ہے''۔

الغرض کسی ہستی کی تعظیم وتکریم اور اس کے سامنے عجز و نیاز اُس وقت شرک کہلائیں گے جب معبود کو مافوق الاسباب، غیبی طور پر متصرف، مختار اور عالم الغیب سمجھ کر بجالائے جائیں، جب یہ سمجھا جائے کہ فلاں کو مجھ پر ظاہری اسباب کے سوا مافوق الاسباب غیبی تسلط و اختیار حاصل ہے اور وہ غائبانہ نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس اعتقاد کے ساتھ کوئی بھی تعظیم چاہے ہاتھ پاؤں سے سرزد ہو یا زبان سے ثناء یا پکار ہو تو وہ اس کی عبادت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں خالص عبادت کا حکم دیا ہے اور شرک سے منع فرمایا ہے وہاں یہی مراد ہے۔ سورۃ الزمر میں ارشاد ہے:

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝﴾

''سو آپ خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیے''۔

سورۃ الزمر میں آگے جا کر ارشاد ہوا:

﴿قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِيْنِيْ ۝﴾

''آپؐ فرما دیجیے کہ مجھے تو یہ حکم ہے کہ میں عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی انجام دوں اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے''۔

استعانت ودُعا صرف اللہ سے

مذکورہ بالا آیات کی طرح سورۃ الفاتحہ کے جملے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ میں مفعول کو فعل پر اس لیے مقدم کیا تاکہ حصر کا فائدہ حاصل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح عبادت صرف اللہ ہی کی ہونی چاہیے اسی طرح استعانت (مدد طلب کرنا) بھی صرف اسی ہی سے ہونی چاہیے۔ استعانت اور دُعا چونکہ عبادت کی سب سے بڑی اور اہم شاخ ہے اس لیے عبادت کے بعد خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))(۶)

''دُعا (پکار) عبادت کا مغز (اور لبِ لباب) ہے''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))(۷)

''پکارنا ہی اصل عبادت ہے''۔

قرآن مجید میں بھی لفظ عبادت بمعنی دُعا اور پکار وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ (المؤمن)

''اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ یقیناً جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی پکار کا حکم فرمایا ہے' پھر پکار کو لفظ عبادت سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تعبیر میں فرمایا ہے کہ عِبَادَتِیْ سے مراد دُعَائِیْ ہے۔(۸)

استعانت کی دو قسمیں

دُعا و استعانت کے ذیل میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے اور اللہ تعالیٰ کے سوا دیگر مخلوق سے مدد لینے میں کیا فرق ہے؟

امر مذکور کو سمجھنے کے لیے اس کو دو قسموں میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱) استعانت ماتحت الاسباب: اس سے مراد وہ مدد ہے جو مادی اسباب کے تحت ہر انسان دوسرے انسان سے لیتا ہے۔ اس کے بغیر اس دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ صنعت کار اپنی صنعت کے ذریعے ساری مخلوق کی مدد کرتا ہے۔ مزدور' معمار' بڑھئی' لوہار سب مخلوق کی مدد میں لگے ہوئے ہیں اور ہر شخص ان سے مدد لینے پر مجبور ہے۔ یہ وہ امداد ہے جو روزمرہ زندگی میں تمام انسانوں کو ایک دوسرے سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے جو مدد مانگی تھی وہ بھی ماتحت الاسباب تھی۔ آپؑ نے حواریوں سے فرمایا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ ''کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟'' حواریوں نے جواب دیا: ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ ''ہم ہیں اللہ (کی راہ میں آپ) کے مددگار!'' یہ سارا معاملہ ماتحت الاسباب ہے۔ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے' غائب نہیں تھے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ (مکی دور میں) ایامِ حج میں فرماتے: ''کون ہے جو مجھے پناہ دے تاکہ میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا سکوں' اس لیے کہ قریش مجھے فریضۂ رسالت ادا نہیں کرنے دیتے''۔ ذوالقرنین نے بھی یاجوج ماجوج کو روکنے کے لیے دیوار بناتے وقت لوگوں سے کہا تھا:

﴿فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ﴾ (الکھف:۹۵)

''پس تم لوگ قوتِ بازو (یعنی کام سے) میری مدد کرو''۔

یہ مدد بھی ظاہری اسباب کے ماتحت تھی۔

اسی طرح اسبابِ عادیہ کے تحت پکار بھی جائز ہے۔قرآن مجید میں ہے کہ جنگ اُحد میں وقتی افراتفری کی بنا پر جب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو گئے تو آپؐ نے اُن کو واپس بلایا۔سورۂ آل عمران میں ہے:

﴿وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْ اُخْرٰىكُمْ﴾ (آیت ۱۵۳)

''اور رسول پیچھے سے تم کو بلا رہے تھے۔''

یہ پکار ماتحت الاسباب تھی جو معاشرتی زندگی کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ایک جگہ ارشاد ہوا:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ (النور:٦٣)

''جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو (نام سے اور بلند آواز سے) پکارتے ہو اس طرح رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ پکارو''۔

اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں اس قسم کی استعانت کا حصر مقصود نہیں اور نہ ہی اس کی قرآن میں ممانعت ہے۔

(۲) استعانت ما فوق الاسباب: یہ وہ مخصوص استعانت و امداد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور غیر اللہ کے لیے شرک ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک تو یہ کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتے یا پیغمبر یا ولی یا کسی اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرح قادرِ مطلق اور مختارِ مطلق سمجھ کر اُس سے دُعا مانگے' حاجت طلب کرے۔یہ تو ایسا کھلا ہوا کفر ہے کہ عام مشرکین بُت پرست بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں اور اپنے بُتوں' دیوتاؤں کو بالکل خدا تعالیٰ کی مثل قادرِ مطلق اور مختارِ مطلق قرار نہیں دیتے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کو کفار اختیار کرتے ہیں' اور قرآن اور اسلام اس کو باطل اور شرک قرار دیتا ہے' وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق' فرشتے' پیغمبر' ولی یا کسی دیوتا کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اگرچہ قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کامل اختیارات اسی کے ہیں' لیکن اس نے اپنی قدرت و اختیار کا کچھ حصہ فلاں ہستی کو سونپ دیا ہے اور اُس دائرے میں وہ خود مختار ہے۔یہی وہ استعانت و استمداد ہے جو مؤمن و کافر میں فرق اور اسلام و کفر میں امتیاز کرتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک اشکال ذہنوں میں پیدا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے فرشتوں کے ہاتھوں دُنیوی نظام کے بہت سے کام جاری کرتے ہیں یا انبیاء علیہم السلام کے

ذریعے بہت سے ایسے کام وجود میں آتے ہیں جو عام انسانوں کی قدرت سے خارج ہیں' جنہیں معجزات کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کے ذریعے بعض کام وجود میں آتے ہیں جنہیں کرامات کہا جاتا ہے۔ یہاں سرسری نظر والوں کو یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اِن کاموں کی قدرت واختیار اُن کے سپرد نہ کرتا تو ان کے ہاتھ سے یہ کیسے وجود میں آتے؟ اس سے وہ ان انبیاء واولیاء کے ایک درجے میں مختار ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ معجزات اور کرامات براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے' صرف اس کا ظہور پیغمبر یا ولی کے ہاتھوں کیا جاتا ہے۔ پیغمبر اور ولی کو اُس کے وجود میں لانے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں۔ مثلاً آیت مبارکہ:

﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ﴾ (الانفال:۱۷)

''آپؐ نے کنکریاں نہیں ماریں جب بھی ماریں' مگر اللہ تعالیٰ نے ماریں۔''

میں رسول کریم ﷺ کے اس معجزے کا ذکر ہے جس میں آپؐ نے دشمن کے لشکر کی طرف ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی' اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ سارے لشکر کی آنکھوں میں جالگیں' اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ کنکریاں آپؐ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔ گویا معجزہ جو کسی نبی کے واسطہ سے صادر ہوتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کو جب اُن کی قوم نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہیں اسے لے آیئے' تو انہوں نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝﴾ (ھود)

''وہ (عذاب) تو اللہ ہی لائے گا اگر چاہے گا اور تم اتنا بل بوتا نہیں رکھتے کہ اسے روک پاؤ''۔

یعنی معجزے کے طور پر آسمانی عذاب نازل کرنا میرے قبضے میں نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو یہ عذاب آجائے گا اور پھر تم اس سے بھاگ نہ سکو گے۔

استعانت ودُعا کے ضمن میں اسوۂ انبیاء علیہم السلام

پروردگارِ عالم نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے جہاں اپنی کتابیں اور صحائف نازل فرمائے' ساتھ ہی ایسے برگزیدہ بندے بھی مبعوث کیے جنہوں نے گم کردہ راہ انسانوں کو سیدھی راہ دکھائی' جن کے احوال قرآن میں جابجا مذکور ہیں اور جن کا اُسوہ وعمل ہمارے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی زندگیوں میں ہر قسم کے وقائع واحوال میں'

ہر قسم کی حاجات وضروریات میں اپنے ربّ کریم کی طرف رجوع کرتے۔ اس لیے کہ وہی ذات صاحبِ اختیار وتصرف ہے جو ہر قسم کی تکلیف کو دُور کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النمل)

''(اللہ تعالیٰ کے سوا) کون ہے وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور (اُس کی) مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں خلیفہ بناتا ہے؟ (یہ سن کر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (مگر) تم لوگ کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو''۔

ان پاک باز ہستیوں (انبیاء ورُسل) نے اپنے متبعین کو بھی یہی درس دیا اور خود بھی اسی پر عامل رہے۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ ربّ العزت کے سامنے التجا کی:

﴿اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (القمر)

''(اے میرے ربّ!) میں درماندہ ہوں' سو آپ (ان سے) انتقام لے لیجیے۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا:

﴿قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ﴾ (ھود)

''انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس نے تم کو زمین (کے مادہ) سے پیدا کیا اور اس نے تم کو اس میں آباد کیا' تو تم اپنے گناہ اس سے معاف کراؤ' پھر اُس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ بے شک میرا ربّ قریب ہے' قبول کرنے والا ہے۔''

جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ﴾

(الاعراف: ۲۲)

''موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور ثابت قدم رہو (گھبراؤ مت) یقیناً زمین اللہ تعالیٰ کی ہے......''

سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے سیدنا یوسف علیہ السلام کی خون آلود قمیص دیکھ کر

اپنے ربّ سے مدد طلب کی:

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ (یوسف)

''(یعقوبؑ نے) فرمایا: (ایسا نہیں ہے) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے' سو صبر ہی کروں گا اور بخوبی صبر کروں گا (جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا) اور جو باتیں تم بنا رہے ہو اُن میں اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے''۔

جناب زکریا علیہ السلام نے حصولِ اولاد کے لیے اپنے ربّ کے سامنے دستِ سوال دراز کیا:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ (آل عمران)

''اس موقع پر دعا کی (حضرت) زکریا (علیہ السلام) نے اپنے ربّ سے۔ عرض کیا: اے میرے ربّ! عنایت کیجیے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد' بے شک آپ دعاؤں کے بہت سننے والے ہیں''۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو جب دعوت دین کی پاداش میں سخت ترین حالات کا سامنا ہوتا تو وہ اپنے عظیم و کریم ربّ سے مدد کے طالب ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (البقرۃ)

''انہیں سختیاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ (اس زمانہ کے) پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے' بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد (موعود) کب ہوگی؟ یاد رکھو بے شک اللہ تعالیٰ کی امداد بہت نزدیک ہے''۔

خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں سرد و گرم ہر قسم کے حالات میں اپنے ربّ کا سہارا تلاش کیا:

﴿قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ (الانبیاء)

''پیغمبر (ﷺ) نے (باذنِ الٰہی) کہا کہ اے میرے ربّ! فیصلہ کر دیجیے حق کے موافق۔ اور (پیغمبرؐ نے کفار سے بھی فرمایا کہ) ہمارا ربّ ہم پر بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلے میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو''۔

غزوۂ بدر و حنین ایسے کڑے اوقات میں رسول برحق ﷺ اپنے طاقتور ربّ کے سامنے گڑگڑاتے رہے:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾ (الانفال)

''جبکہ تم اپنے ربّ سے فریاد کر رہے تھے تو اُس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے۔''

مزید ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ...﴾ (التوبۃ:۲۵)

''خدا تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت سے موقعوں پر (کفار کے مقابلے میں) تمہاری مدد کی ہے (تم کو غلبہ دیا ہے) اور حنین کے دن بھی.....''

نبی کریم ﷺ نے اپنی اُمت کو بھی اپنے ربّ ہی سے مانگنے کا درس دیا کہ آپؐ کو یہی تعلیم دی گئی تھی:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ.....﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

''جب میرے بندے آپ سے میرے بارے دریافت کریں تو (آپ انہیں بتا دیں کہ اپنے ربّ کی طرف رجوع کرو' اس لیے کہ) میں یقیناً قریب ہوں۔ منظور کر لیتا ہوں (ہر) عرضی درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست کرے۔ پس انہیں بھی چاہیے کہ میری پکار پر لبیک کہیں.....''

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے مخلص اور سچے بندے ان ہدایاتِ ربانیہ کو سامنے رکھتے ہوئے اور سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں ہر قسم کے حالات میں' خوشحالی اور فراخی میں' تنگی و تکلیف میں اپنے پروردگار ہی کے سامنے سربسجود ہوتے اور حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ سورۃ الفرقان میں ''عبادُ الرحمٰن'' کے اوصاف کے ذیل میں ارشاد ہوا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ.....﴾ (الفرقان:۶۸)

''اور یہ (اللہ تعالیٰ کے خالص بندے) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے۔''

عبادت اور استعانت کے تمام تر متعلقات' چاہے وہ نماز ہو' روزہ ہو' زکوٰۃ ہو' صدقات

وخیرات ہوں' قربانی ہو' منت ہو' نذر و نیاز ہو' رکوع وطواف ہو' استغفار و استغاثہ ہو یا انابت و رجوع ہو' صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ وہی قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہے۔

احادیث کی تمام معتبر کتب جیسے صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک' سنن ابی داود' جامع ترمذی' سنن النسائی' سنن ابن ماجہ' سنن دارمی وغیرہم میں متعدد احادیث مذکورہ بالا مضمون پر شاہد ہیں۔ صحیح بخاری اور مسند احمد کی صرف ایک ایک حدیث لکھنے پر اکتفا کروں گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهٗ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهٗ)) (۹)

''اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمانِ دنیا پر (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری ایک تہائی حصہ باقی ہوتا ہے' فرماتا ہے: جو مجھ سے دعا اور درخواست کرے گا میں اس کی درخواست قبول کروں گا' جو مجھ سے سوال کرے گا میں اس کو عطا کروں گا' جو مجھ سے مغفرت طلب کرے گا میں اس کی مغفرت کروں گا''۔

مسند احمد کے الفاظ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُمْهِلُ حَتّٰى يَذْهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ يَنْزِلُ فَيَقُوْلُ هَلْ مِنْ سَائِلٍ؟ هَلْ مِنْ تَائِبٍ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ؟ هَلْ مِنْ مُذْنِبٍ؟)) قَالَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ؟ قَالَ: ((نَعَمْ)) (۱۰)

''بے شک اللہ تعالیٰ (بندوں کو راحت و آرام کرنے کے لیے) مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ تہائی رات گزر جاتی ہے' پھر وہ (اللہ رب العزت) آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: ہے کوئی سوال کرنے والا (کہ وہ سوال کرے اور میں اسے پورا کروں)' ہے کوئی توبہ کرنے والا؟ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا؟ ہے کوئی گناہگار؟ (کہ وہ میرے دربار میں توبہ و رجوع کرے اور میں اس کے گناہوں کو معاف کروں)''۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ (یہ ندائیں اور بلاوے) صبح تک ہوتے رہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں''۔

ایک آیت کریمہ لکھ کر اپنا مضمون ختم کروں گا:

﴿وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾﴾ (ھود)

''اور مجھ کو جو توفیق ہوتی ہے صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے' میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔

حواشی وحوالہ جات

۱) ابن جریر الطبری : جامع البیان فی تاویل آیٔ القرآن' شرکۃ مکتبۃ البالی الحلبی بمصر' ۱۹۵٤م' ج۱' ص ٦۹۔

۲) ابن کثیر الدمشقی : تفسیر القرآن العظیم ' دارالفکر' بیروت' (س ن)' ج۱' ص ۲۵۔

۳) المنجد (عربی اردو ڈکشنری)' دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۴ء (تحت لفظ ع)' ص ٦۲۵۔

٤) مفتی محمد شفیع: تفسیر معارف القرآن' ادارۃ المعارف' کراچی ۱۹۹۴ء' ج۱' ص ۹۸۔

٥) ابن القیم: مدارج السالکین' ج۱' ص ٤۰ بحوالہ تفسیر جواہر القرآن از مولانا حسین علی' کتب خانہ رشیدیہ' راولپنڈی' ج۱' ص ۸۔

٦) سنن الترمذی' کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ باب منہ' ح ۳۲۹۳۔

۷) سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن' باب ومن سورۃ البقرۃ' ح ۲۸۹٥۔

۸) یہ مفہوم مفسرین نے مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں لیا ہے۔ ''الدعاء ھو العبادۃ'' فرما کر آپ ﷺ نے سورۃ المؤمن کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

۹) صحیح البخاری' کتاب الجمعۃ' باب الدعاء فی الصلاۃ من آخر اللیل' ح ۱۰۷۷۔

۱۰) مسند احمد' باقی مسند الانصار' باب مسند ابی سعید الخدریؓ' ح ۱۰۸٦۸۔

چلڈرن قرآن سوسائٹی کے زیر اہتمام
طالب علموں کے لئے ایک معیاری علمی رسالہ
ماہنامہ **کوثر** لاہور
زیر ادارت: ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ
☆ قیمت فی شمارہ: 10 روپے ☆ سالانہ زرتعاون: 100 روپے
چلڈرن قرآن سوسائٹی
خواجہ آرکیڈ' 17۔ وحدت روڈ لاہور فون: 7598565

چہرے کا پردہ

واجب، مستحب یا بدعت؟ (۵)

تحریر: حافظ محمد زبیر

مضمونِ ہٰذا کی پچھلی قسط میں موجود آخری حدیث کے حوالے سے محترم پروفیسر خورشید عالم صاحب نے توجہ دلائی ہے کہ اس حدیث میں موجود الفاظ ''فَقَبَضَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ'' کا ترجمہ ''آپؐ نے اس عورت کے ہاتھ کو پکڑ لیا'' کیا گیا ہے، حالانکہ ''قَبَضَ'' کا لفظ یہاں ''پکڑنے'' کی بجائے ''بند کرنے'' کے معنی میں ہے، یعنی صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ ''نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ کو بند کر لیا یا سمیٹ لیا''۔ جزاہ اللہ الخیر۔ اس کی تائید نسائی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ امْرَأَةً مَدَّتْ يَدَهَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِكِتَابٍ فَقَبَضَ يَدَهُ فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَدَدْتُ يَدِيْ اِلَيْكَ بِكِتَابٍ فَلَمْ تَأْخُذْهُ، فَقَالَ: ((اِنِّيْ لَمْ اَدْرِ اَيَدُ امْرَأَةٍ هِيَ اَوْ رَجُلٍ)) (۱۲۸)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے اپنے ہاتھ میں موجود ایک خط نبی اکرم ﷺ کی طرف بڑھایا تو آپؐ نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اپنا ہاتھ آپؐ کی طرف بڑھایا تاکہ آپؐ کو خط دے سکوں، لیکن آپؐ نے وہ خط نہ لیا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ یہ کسی عورت کا ہاتھ ہے یا کسی مرد کا۔''

(گزشتہ سے پیوستہ)

۱۹) عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا

جِلْبَابٌ؟ قَالَ :((لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا)) (۱۲۹)

''حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو عیدین کے دن نکالیں' وہ مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں حاضر ہوں' اور حیض والی عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔ ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ''اس کی سہیلی اس کو اپنی چادر میں شریک کرے''۔

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں بغیر چادر باہر نکلنے کا کوئی تصور بھی نہ تھا۔ چادر کے لیے اس حدیث میں جلباب کا ذکر آیا ہے اور ہم پہلے یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ جلباب آپؐ کے زمانے میں چہرے اور سارے جسم کو ڈھانپنے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بخاری کی روایت سے ظاہر ہے۔

۲۰) عَنْ نَبْهَانَ مَوْلٰى اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَيْمُوْنَةَ قَالَتْ فَبَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهٗ اَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا اُمِرْنَا بِالْحِجَابِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِحْتَجِبَا مِنْهُ)) فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ هُوَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا؟ اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ؟))(۱۳۰)

''حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام نبہان سے روایت ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ نے ان سے بیان کیا کہ وہ اور حضرت میمونہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں۔ حضرت اُمّ سلمہ کہتی ہیں کہ اسی دوران جبکہ ہم آپؐ کے پاس تھیں' ابن اُمّ مکتوم آئے۔ اور یہ حجاب کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ: ''اس سے پردہ کرو''۔ تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ تو وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ہمیں جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم دونوں اس کو دیکھ نہیں رہیں؟''

حدیث کے الفاظ ''اَلَيْسَ هُوَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا'' اس بات کی دلیل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں حجاب کرتی تھیں' کیونکہ حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کو جب آپؐ نے ابن اُمّ مکتوم سے حجاب کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ وہ نابینا ہیں'

ہمیں دیکھ نہیں سکتے' لہٰذا ان سے حجاب کی ضرورت نہیں ہے۔ شارحین کے مابین حدیث کے اس حصے کے مفہوم میں اختلاف نہیں ہے۔ جہاں تک اللہ کے رسول ﷺ کے قول ''اَفَعَمْیَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِہٖ'' کا تعلق ہے تو اس بارے میں اقوال ہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ عورت کے لیے مرد کی طرف دیکھنے کی رخصت ہے' بشرطیکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بخاری میں روایت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو حبشیوں کا کھیل دکھایا۔ ویسے بھی چہرے کو ڈھانپنے کا حکم عورتوں کے لیے ہے مَردوں کے لیے نہیں۔ بنا بریں ان دونوں روایات میں تطبیق یہی ہے کہ بنیادی طور پر نابینا شخص کے سامنے بے محابا آنے کی بھی ممانعت ہے۔ اس لیے کہ ایک قسم کا نفسیاتی حجاب جو کہ تقویٰ اور ورع کی علامت ہے' بہرحال برقرار رہنا ضروری ہے۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ حجاب کا حکم تو تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام تھا' لیکن مَردوں کی طرف نہ دیکھنے کا حکم صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ہے' جیسا کہ حضرت اُمّ سلمہؓ والی روایت سے پتا چل رہا ہے۔ امام ابوداؤد اس حدیث کو اپنی کتاب میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هٰذَا لِاَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ خَاصَّةً اَلَا تَرَى اِلَى اعْتِدَادِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ عِنْدَ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَدْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ :((اِعْتَدِّيْ عِنْدَ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ اَعْمٰى تَضَعِيْنَ ثِيَابَكِ عِنْدَهٗ)) (۱۳۱)

''یہ حکم ازواجِ مطہرات کے لیے مخصوص ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ابن اُمّ مکتومؓ کے ہاں عدت گزارنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فاطمہ بنت قیسؓ سے کہا تھا کہ ''ابن اُمّ مکتوم کے ہاں عدت گزار لو۔ بیشک وہ نابینا آدمی ہے۔ تم اپنے اضافی کپڑے (چادر وغیرہ) بھی وہاں اتار سکتی ہو۔''

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری جامع الترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں:

والاصح انه يجوز نظر المرأة الى الرجل فيما فوق السرة وتحت الركبة بلا شهوة وهذا الحديث محمول على الورع والتقوى۔ قال السيوطى رحمه الله كان النظر الى الحبشة عام قدومهم سنة سبع ولعائشة يومئذ ست عشرة سنة وذلك بعد الحجاب فيستدل به على جواز نظر المرأة الى الرجل۔ انتهى۔ وبدليل انهن كن يحضرن

الصلاة مع رسول الله ﷺ فی المسجد ولابد ان یقع نظرهن الی الرجال فلو لم یجز لم یؤمرن بحضور المسجد والمصلی ولانه امرت النساء بالحجاب عن الرجال، ولم یؤمر الرجال بالحجاب کذا فی المرقاة وقال ابوداؤد فی سننه بعد روایة حدیث اُمّ سلمة هذا ما لفظه : هذا لازواج النبی ﷺ خاصة ..... وقال الحافظ فی التلخیص : هذا جمع حسن وبه جمع المنذری فی حواشیه واستحسنه شیخنا انتهی ..... قال ویؤید الجواز استمرار العمل علی جواز خروج النساء الی المساجد والاسواق والاسفار منتقبات لئلا یراهن الرجال ولم یؤمر الرجال قط بالانتقاب لئلا یراهم النساء فدل علی مغایرة الحکم بین الطائفتین قوله (هذا حدیث حسن صحیح) قال الحافظ فی الفتح بعد ذکر هذا الحدیث اخرجه اصحاب السنن من روایة الزهری عن نبهان مولی ام سلمة عنها واسناده قوی واکثر ما علل به انفراد الزهری بالروایة عن نبهان ولیست بعلة قادحة۔ فان من یعرفه الزهری ویصفه بانه مکاتب ام سلمة، ولم یجرحه احد لا ترد روایته (۱۳۲)

''اور صحیح قول یہی ہے کہ عورت کے لیے مرد کی طرف ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے تک دیکھنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ شہوت کے ساتھ نہ ہو۔ اور یہ (اُمّ سلمہؓ والی) حدیث ورع اور تقویٰ پر محمول ہوگی۔ امام سیوطی نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کا حبشیوں کو دیکھنا ہجرت کے ساتویں سال کا واقعہ ہے جبکہ حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۶ سال تھی اور یہ واقعہ حجاب کی آیات کے نزول کے بعد کا ہے۔ پس اس واقعہ سے عورت کے مرد کی طرف دیکھنے کے جواز پر استدلال کیا جائے گا۔ (امام سیوطی کا کلام ختم ہوا۔) اور اس کے جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتی تھیں تو ان کی نظروں کا مَردوں پر پڑنا ایک لازمی امر تھا۔ اور اگر عورتوں کا مَردوں کی طرف دیکھنا جائز نہ ہوتا تو عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ میں آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ اور اس کے جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ عورتوں کو تو مَردوں سے پردے کا حکم دیا گیا لیکن مردوں کو عورتوں سے پردے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اسی طرح مرقاۃ میں ہے۔

اور امام ابوداؤد نے اس روایت کو سنن ابی داؤد میں نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حکم (عورتوں کا مردوں کی طرف نہ دیکھنا) ازواج مطہرات نبیؐ کے لیے خاص ہے۔
حافظ ابن حجر نے تلخیص میں لکھا ہے کہ یہ اچھی تطبیق ہے اور امام منذری نے بھی اپنے حواشی میں ان احادیث کو اسی طرح جمع کیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے شیخ نے اس جمع کو مستحسن قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنا اس لیے جائز ہے کہ اُمت کے تواتر عملی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتیں ہمیشہ مساجد، بازار اور سفر کے لیے نقاب پہن کر نکلتی ہیں تاکہ مرد انہیں نہ دیکھیں جبکہ مردوں کو نقاب کا بالکل بھی حکم نہیں دیا گیا کہ عورتیں اُن کو نہ دیکھیں۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں گروہوں کا حکم مختلف ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کو اصحاب سنن نے زہری کے ذریعے اُم سلمہ کے آزاد کردہ غلام نبہان سے اور انہوں نے اُم سلمہ سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کی سند قوی ہے۔ اور سب سے زیادہ اس حدیث میں جو علت بیان کی جاتی ہے وہ یہ کہ امام زہری نبہان سے روایت لینے میں منفرد ہیں۔ یہ علت قادحہ (عیب لگانے والی) نہیں ہے، کیونکہ جسے امام زہری جیسے جلیل القدر محدث جانتے ہوں اور اس کی صفت یہ بیان کریں کہ وہ اُم سلمہ کا مکاتب ہے اور اس پر کسی نے جرح بھی نہ کی ہو تو ایسے راوی کی روایت مردود نہ ہوگی۔''

علامہ البانی کا موقف: علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اس حدیث کی سند میں موجود ایک راوی نبہان مجہول العین ہے۔

امام ابن حبان، امام نووی، امام ترمذی اور ابن حجرؒ کا موقف: جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام ترمذی اور ابن حجر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، علاوہ ازیں ابن حبان نے نبہان کو ثقہ قرار دیا ہے، گویا کہ ان کے نزدیک بھی یہ روایت صحیح ہے۔ اسی طرح امام نووی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

وهذا الحديث حديث حسن رواه ابوداؤد والترمذی۔ قال الترمذی هو حديث حسن ولا يلتفت الى قدح من قدح فيه بغير حجة معتمدة(۱۳۳)

''اور یہ حدیث حسن ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے اسے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور جو شخص اس حدیث پر جرح کرتا ہے اس کی جرح بغیر کسی مضبوط

دلیل کے ناقابل التفات ہے۔''

لہٰذا علامہ البانی کی نسبت ان جلیل القدر محدثین کی تصحیح کو ترجیح حاصل ہے۔

منکرین حجاب اور احادیث مبارکہ

جو لوگ حجاب کے لزوم کا انکار کرتے ہیں وہ درج ذیل احادیث سے دلائل پکڑتے ہیں۔

دلیل اول :

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْفَضْلُ رَدِيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ اِلَيْهَا وَتَنْظُرُ اِلَيْهِ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ اِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ : ((نَعَمْ)) وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ(۱۳۴)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھے تھے تو ایک عورت جو قبیلہ خثعم سے تعلق رکھتی تھی' آئی۔ حضرت فضل بن عباسؓ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ اُنؓ کی طرف دیکھنے لگی۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ کا چہرہ پکڑ کر اُس کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس عورت نے آپؐ سے سوال کیا کہ میرے باپ پر بڑھاپے میں حج فرض ہوا ہے اور وہ سواری پر سیدھا بیٹھ بھی نہیں سکتا' کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''ہاں''۔ اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔''

ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ اس حدیث سے چہرے کے پردے کے عدم وجوب استدلال درست نہیں ہے' کیونکہ یہ عورت حالتِ احرام میں تھی اور حالتِ احرام میں عور کے لیے چہرہ کھلا رکھنا مشروع ہے۔

ابن بطال نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

وفيه دليل على ان نساء المومنين ليس عليهن من الحجاب ما يلزم ازواج النبى ﷺ ، اذ لولزم ذلك جميع النساء لأمر النبى ﷺ الخثعمية بالاستتار ولما صرف وجه الفضل' قال :وفيه دليل على ان

ستر المرأة وجهها ليس فرضا لاجماعهم على ان للمرأة ان تبدى وجهها في الصلاة ولو رآه الغرباء (۱۳۵)

''اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان عورتوں پر وہ حجاب فرض نہیں ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج کے لیے لازم تھا۔ اگر یہ حجاب تمام عورتوں کے لیے لازم ہوتا تو آپ ﷺ قبیلہ خثعم کی عورت کو پردہ کرنے کا حکم دیتے اور فضل بن عباس کا چہرہ دوسری طرف نہ پھیرتے۔ ابن بطال نے کہا کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ عورت کا اپنے چہرے کو چھپانا فرض نہیں ہے' کیونکہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت نماز میں اپنا چہرہ کھلا رکھے گی چاہے اجنبی اسے دیکھ رہے ہوں۔''

علامہ ابن حجر ابن بطال کا موقف نقل کرنے کے بعد اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت : وفي استدلاله بقصة الخثعمية لما ادعاه نظر لانها كانت محرمة (۱۳۶)

''میں یہ کہتا ہوں کہ ابن بطال کا قبیلہ خثعم کی عورت کے قصے سے استدلال کرنا محل نظر ہے' کیونکہ وہ عورت حالتِ احرام میں تھی۔''

علامہ البانی کا موقف:

علامہ البانی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قبیلہ خثعم کی عورت حالتِ احرام میں نہ تھی۔ علامہ البانی ''ابن حجر'' کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت : كلا' فانه لا دليل على انها كانت محرمة' بل الظاهر خلافه ۔ فقد قدمنا عن الحافظ نفسه ان سؤال الخثعمية للنبى ﷺ إنما كان بعد رمي جمرة العقبة ' اى بعد التحلل فكأن الحافظ نسى ما كان حققه هو بنفسه رحمه الله تعالى' ثم هب انها كانت محرمة فان ذلك لا يخدج فى استدلال ابن بطال المذكور البتة۔ ذلك لان المحرمة تشترك مع غير المحرمة فى جواز ستر وجهها بالسدل عليه كما يدل على ذلك الحديث الرابع والخامس الآتيين وانما يجب عليها ان لا تنتقب فقط۔ فلو ان كشف المرأة لوجهها امام الاجانب لا يجوز' لامرها ﷺ ان تسبل عليه من فوق كما قال ابن حزم لا سيما وهى من احسن النساء واجملهن وقد كاد الفضل بن عباس ان يفتتن بها! ومع

هذا كله لم يأمرها ﷺ بل صرف وجه الفضل عنها' ففي هذا دليل ايضا على ان الستر المذكور لا يجب على المرأة ولو كانت جميلة(۱۳۷)

قارئین کی آسانی کی خاطر ہم علامہ البانی کی عبارت کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

علامہ البانی کا پہلا دعویٰ:

قلت :كلا' فانه لا دليل على انها كانت محرمة' بل الظاهر خلافه

''میں (البانی) یہ کہتا ہوں کہ ہرگز ایسا نہیں ہے (جو کہ ابن حجر نے بیان کیا ہے)' کیونکہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ عورت حالتِ احرام میں تھی' بلکہ بظاہر حقیقت اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے''۔

جواب دعویٰ: علامہ البانی کا یہ کہنا کہ عورت کے حالتِ احرام میں ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے' صریح نص کے خلاف ہے۔ بہت ساری احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جبکہ وہ عورت حالت احرام میں تھی۔ چند احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ كَانَ رَدِيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غَدَاةَ النَّحْرِ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ مِنْ خَثْعَمَ..... (۱۳۸)

''حضرت ابن عباسؓ (اپنے بھائی) حضرت فضل بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قربانی کی صبح اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سوار تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آپؐ کے پاس آئی.....''

۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اَخِيْهِ الْفَضْلِ اَنَّهٗ كَانَ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غَدَاةَ النَّحْرِ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ مِنْ خَثْعَمَ..... (۱۳۹)

''حضرت ابن عباسؓ اپنے بھائی حضرت فضل بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قربانی والے دن کی صبح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آپؐ کے پاس آئی.....''

۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَةً مِنْ خَثْعَمَ سَاَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ غَدَاةَ جَمْعٍ .....(۱۴۰)

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ سے مزدلفہ کی صبح سوال کیا.....''

٤) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اَخِیْهِ الْفَضْلِ قَالَ کُنْتُ رَدِیْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ جَمْعٍ اِلٰی مِنًی .....(١٤١)

''حضرت ابن عباسؓ اپنے بھائی فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں مزدلفہ سے منیٰ کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔''

٥) مسلم کی ایک روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ عورت اکیلی نہ تھی' بلکہ عورتوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھی۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ وَکَانَ رَجُلًا حَسَنَ الشَّعْرِ اَبْیَضَ وَسِیْمًا فَلَمَّا دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَرَّتْ بِهٖ ظُعُنٌ یَجْرِیْنَ فَطَفِقَ الْفَضْلُ یَنْظُرُ اِلَیْهِنَّ .....(١٤٢)

''رسول اللہ ﷺ سورج طلوع ہونے سے پہلے مشعر حرام سے روانہ ہوئے اور آپؐ نے حضرت فضل بن عباسؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا اور حضرت فضل بن عباسؓ خوبصورت بالوں والے سفید رنگ کے ایک وجیہہ انسان تھے۔ جب آپؐ نے کوچ کیا تو آپؐ کے پاس سے کچھ اونٹ گزرے کہ جن میں ہر ایک پر ایک عورت بیٹھی تھی تو حضرت فضل بن عباسؓ اُن عورتوں کی طرف دیکھنے لگے.....''

مذکورہ بالا اور اس طرح کی اور بہت ساری روایات سے یہ بات صریحاً ثابت ہوتی ہے کہ حضرت فضل بن عباسؓ والا یہ واقعہ قربانی والے دن کی صبح مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جاتے ہوئے پیش آیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ عورت حالتِ احرام میں تھی۔ اور حالت احرام میں عورت کے لیے اپنا چہرہ کھلا رکھنا مشروع ہے لہٰذا اس حدیث سے چہرے کے پردے کے عدم وجوب پر دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ البانی کا دوسرا دعویٰ: علامہ البانی نے ابن حجرؒ کے حوالے سے دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ ابن حجر بھی اس بات کے قائل تھے کہ وہ عورت حالت احرام میں نہ تھی۔ علامہ البانی لکھتے ہیں:

فقد قدمنا عن الحافظ نفسه ان سؤال الخثعمية للنبی ﷺ انما كان بعد رمی جمرة العقبة۔ ای بعد التحلل فكأن الحافظ نسی ما كان حققه هو بنفسه رحمه الله تعالیٰ

''ہم حافظ ابن حجر کے حوالے سے یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خود ابن حجر کا کہنا یہ ہے کہ خثعمیہ عورت کا آپؐ سے سوال کرنا جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد کا واقعہ ہے' یعنی

احرام کھول دینے کے بعد۔ ایسا محسوس ہوتا ہے حافظ ابن حجرؒ نے جس بات کا اثبات کیا تھا اس کو بھول گئے (اور یہ کہہ دیا کہ وہ عورت حالتِ احرام میں تھی)۔''

جواب دعویٰ: حافظ ابن حجر کے حوالے سے علامہ البانی نے جو قول نقل کیا ہے اس کے صحیح الفاظ یہ ہیں:

ویحتمل ان یکون سوال الخثعمیة وقع بعد رمی جمرة العقبة

''اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ خثعمیہ عورت کا یہ سوال جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد ہوا ہو''۔

حافظ ابن حجر نے اپنی اس عبارت میں احتمال پیش کیا ہے اور ان کا یہ احتمال فتح الباری کی جلد۴' ص ۶۷ میں موجود ہے' جبکہ آگے چل کر فتح الباری کی جلد۱۱' ص ۱۰ میں ابن حجر نے اپنے اسی احتمال کو رد کرتے ہوئے صریحاً اپنا موقف ان الفاظ میں پیش کیا:

قلت :وفی استدلاله بقصة الخثعمیة لما ادعاه نظر ' لانها کانت محرمة

''میں (ابن حجر) یہ کہتا ہوں کہ ابن بطال کا خثعمیہ عورت کے قصے سے استدلال کرنا محلِ نظر ہے' کیونکہ وہ حالت احرام میں تھی۔''

ابن حجر نے اپنے قول اوّل میں اس بات کا احتمال پیش کیا تھا کہ ہوسکتا ہے یہ واقعہ حالتِ احرام کے بعد کا ہو۔ لیکن اپنے قول ثانی کے ذریعے خود ہی اپنے اس احتمال کا رد بھی کر دیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حافظ ابن حجر کا موقف بھی یہی ہے کہ جب فضل بن عباس کا یہ واقعہ ہوا اُس وقت وہ عورت حالت احرام میں تھی۔ کیونکہ حافظ ابن حجر کا دوسرا قول مؤخر ہے۔

علامہ البانی کا تیسرا دعویٰ:

ثم هب انها کانت محرمة ' فان ذلك لا یخدج فی استدلال ابن بطال المذکور البتة ذلك لان المحرمة تشترك مع غیر المحرمة فی جواز ستر وجهها بالسدل علیه..... ففی هذا دلیل ایضاً علی ان الستر المذکور لا یجب علی المرأة ولو کانت جمیلة

''پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ عورت حالتِ احرام میں تھی تو بھی ابن بطال کا استدلال مذکور صحیح ہے' کیونکہ ''محرمہ'' اور ''غیر محرمہ'' دونوں کے لیے اپنے چہرے کو کپڑے سے ڈھانپنا جائز ہے۔ جیسا کہ آگے آنے والی احادیث سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ''محرمہ'' کے لیے واجب صرف یہ ہے کہ نقاب نہ اوڑھے۔ اگر عورت کا

اجنبی آدمیوں کے سامنے اپنے چہرے کا کھولنا جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس عورت کو اپنے چہرے پر کپڑا لٹکانے کا حکم دیتے' جیسا کہ ابن حزم نے کہا ہے' خاص طور پر جبکہ وہ عورت بہت زیادہ حسین اور جمیل بھی تھی اور حضرت فضل بن عباسؓ کے بارے میں یہ خطرہ موجود تھا کہ وہ اس عورت کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے' اس کے باوجود آپؐ نے اس عورت کو اپنے چہرے پر کپڑا لٹکانے کا حکم نہ دیا' بلکہ حضرت فضل بن عباس کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا' پس اس میں دلیل ہے کہ چہرے کا پردہ عورت کے لیے واجب نہیں ہے چاہے وہ خوبصورت ہی کیوں نہ ہو۔''

علامہ البانی کے بقول اس عورت کے لیے حالت احرام میں اپنا چہرہ ڈھانپنا جائز تھا' لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہ دیا بلکہ حضرت فضل ابن عباس کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا' اور آپ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ واجب نہیں ہے۔

جواب دعوٰی: استدلال کا جو انداز علامہ البانی نے ابن حزم کے حوالے سے اختیار کیا ہے' یہ استدلال کا کوئی معروف طریقہ کار نہیں ہے۔ بات واضح ہے کہ اس عورت کے لیے جس طرح چہرے کو حالتِ احرام میں ڈھانپنا جائز تھا اس طرح کھلا رکھنا بھی مشروع تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فتنے کے اندیشے کے پیشِ نظر حضرت فضل بن عباس کے چہرے کو پکڑ کر دوسری طرف کر دیا اور اس عورت کو پردے کا حکم نہ دیا' اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے چہرے کا پردہ واجب نہیں ہے؟ اصل مقصد اُس وقت پیدا ہونے والے فتنے کو ختم کرنا تھا۔ اس کا ایک طریقہ کار تو یہ تھا کہ آپؐ اس عورت کو حکم دیتے اور وہ اپنے چہرے پر اپنی چادر لٹکا لیتی۔ دوسرا طریقہ کار یہ تھا کہ آپؐ حضرت فضل بن عباس کو غضِ بصر کا حکم دیتے۔ اور آپؐ نے دوسرے طریقے کو اختیار کیا۔ پہلے طریقے کو اختیار نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں مشقت زیادہ تھی' کیونکہ معاملہ صرف ایک عورت کا نہ تھا۔

جیسا کہ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فضل بن عباس عورتوں کے ایک گروہ کو دیکھ رہے تھے اور وہ خاتون بھی اس گروہ میں شامل تھی۔ اب یا تو رسول اللہ ﷺ ان سب عورتوں کو پردے کا حکم دیتے باوجود اس کے کہ ان کے لیے چہرہ کھلا رکھنا مشروع تھا' یا آپؐ حضرت فضل بن عباس کی اصلاح کرتے۔ آپ ﷺ نے دوسرے راستے کو اختیار کیا جس میں مشقت کم تھی۔ علاوہ ازیں اللہ کے رسول ﷺ کا حضرت فضل کے چہرے کا رُخ

موڑنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ چہرے کا پردہ ہے' کیونکہ چہرہ نسوانی حسن کا مرکز اور محل فتنہ ہے اور نتیجۃً صنفی آوارگی کے اسباب و ذرائع میں سے ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے حضرت فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیرنے سے ہی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ چہرہ ڈھانپنا ضروری ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فتنے کے اندیشے سے ان کے چہرے کا رُخ دوسری طرف کیا تو ہم ان کے جواب میں یہی کہیں گے کہ ہم تو شروع سے ہی یہ بات کر رہے ہیں کہ چہرہ محل فتنہ ہے' اس وجہ سے اس کا پردہ واجب ہے۔

دلیل ثانی :

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْعِيْدِ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ ثُمَّ قَامَ مُتَوَكِّئًا عَلٰى بِلَالٍ فَاَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَحَثَّ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ ثُمَّ مَضٰى حَتّٰى اَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ فَقَالَ تَصَدَّقْنَ فَاِنَّ اَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ فَقَامَتِ امْرَاَةٌ مِنْ سِطَةِ النِّسَاءِ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ فَقَالَتْ لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((لِاَنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ الشَّكَاةَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ)) قَالَ فَجَعَلْنَ يَتَصَدَّقْنَ مِنْ حُلِيِّهِنَّ يُلْقِيْنَ فِيْ ثَوْبِ بِلَالٍ مِنْ اَقْرِطَتِهِنَّ وَخَوَاتِمِهِنَّ (۱۴۳)

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نمازِ عید میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا' تو آپؐ نے خطبہ سے پہلے نماز کو بغیر اذان و اقامت کے شروع کیا' پھر آپؐ حضرت بلالؓ کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا اور اس کی اطاعت کی ترغیب دلائی اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کی۔ پھر آپؐ عورتوں کے پاس آئے اور ان سے کہا تم صدقہ کیا کرو' کیونکہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہیں۔ عورتوں کے درمیان سے ایک عورت کھڑی ہو گئی جو کہ پچکے رخساروں والی تھی۔ اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسا کیوں ہو گا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ اس وجہ سے ہو گا کہ تم بہت زیادہ شکایت اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔'' راوی کہتے ہیں کہ وہ عورتیں اپنے زیورات میں سے کانوں کی بالیاں اور ہاتھوں کی انگوٹھیاں اتار اتار کر حضرت بلالؓ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔''

اس حدیث میں '' سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ '' کے الفاظ سے منکرین حجاب یہ دلیل پکڑتے ہیں

کہ اس عورت کا چہرہ کھلا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہ دیا۔ حالانکہ یہ استدلال درست نہیں ہے۔ اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

ا) عورت کے چہرے سے اتفاقاً کپڑے کا سرک جانا: اس بات کا قوی احتمال موجود ہے کہ جس عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا وقتی طور پر اس کے چہرے سے کپڑا کھسک گیا ہو۔

ب) اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اُس زمانے میں کپڑوں کی کمی تھی۔ عورتوں کے پاس اپنا پورا جسم ڈھانپنے کے لیے بھی کپڑا موجود نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ :((لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا)) (۱۴۴)

''حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم عیدین کے دنوں میں حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو بھی نکالیں اور وہ مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں شریک ہوں' اور حیض والی عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔ تو ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر ہم میں سے کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی سہیلی اپنی چادر میں اس کو بھی شریک کرے''۔

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کپڑا کم ہونے کی وجہ سے دو دو عورتیں بعض اوقات ایک ہی چادر اپنے اوپر لپیٹ کر عید کی نماز کے لیے آتی تھیں۔ ایسے حالات میں کسی عورت کے چہرے سے عارضی طور پر چادر کا سرک جانا بالکل فطری بات ہے' خصوصاً جبکہ وہ عورت سوال کرنے کے لیے بھی کھڑی ہوتی ہو۔

ج) بعض دوسری روایات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس عورت کے چہرے سے چادر وقتی طور پر کھسک گئی تھی۔ حضرت جابر بن عبداللہ واحد صحابی ہیں جنہوں نے یہ روایت بیان کرتے وقت اس عورت کے حوالے سے '' سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ '' کے الفاظ بیان کیے ہیں' جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہم جب اسی روایت کو بیان کرتے ہیں تو عورت کے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے کا تذکرہ تو کرتے ہیں لیکن اس عورت کے چہرے کے حوالے سے ''سَفْعَاءُ

الْخَدَّيْنِ'' کی صفت بیان نہیں کرتے' جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت جب آپؐ سے سوال کرنے کے لیے کھڑی ہونے لگی تو اس وقت عارضی طور پر اس کی چادر یا اس کی سہیلی کی چادر اس کے چہرے سے کھسک گئی اور اس دوران میں حضرت جابرؓ کی نگاہ اس عورت پر پڑی اور انہوں نے اس کے چہرے کی اس صفت کو بھی ساتھ ہی بیان کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں:

فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا: نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ لَا يَدْرِي الْحَسَنُ مَنْ هِيَ (۱۴۵)

''ایک عورت نے آپؐ کو جواب دیا' اور کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے کہا: ''ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ'' اور حسن کو یہ معلوم نہیں کہ وہ عورت کون تھی۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: وَلِمَ ذَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ (۱۴۶)

''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ ایسا کیوں ہوگا؟''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں:

فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ: وَمَالَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ (۱۴۷)

''تو ان میں سے ایک رائے رکھنے والی عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوگا؟''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

فَقَالَتِ امْرَأَةٌ لَيْسَتْ مِنْ عِلْيَةِ النِّسَاءِ اَوْ مِنْ اَعْقَلِهِنَّ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْمَ اَوْ لِمَ اَوْ بِمَ؟ (۱۴۸)

''تو ایک عورت نے کہا جو کہ سربرآوردہ اور زیادہ عقلمند لوگوں میں سے نہیں تھی: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسا کیوں یا کس وجہ سے ہوگا؟''

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ''سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ'' کے الفاظ نقل کرنے میں حضرت جابرؓ منفرد ہیں اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اس روایت کو نقل کرتے ہیں تو صرف عورت کا تذکرہ کرتے ہیں' جبکہ اس کی صفت ''سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ'' کا ذکر نہیں کرتے' جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عورت کے چہرے سے عارضی طور پر کپڑا کھسک گیا تھا اور اس دوران حضرت جابرؓ کی نظر اس عورت پر پڑی اور انہوں نے اس عورت کی نشاندہی

کے لیے اس کی مذکورہ صفت کو بھی نقل کر دیا' جیسا کہ بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی اس عورت کی تعیین کے لیے اس کی بعض صفات کو نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے ''جزلة'' ''صاحب رائے خاتون'' جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے ''لَيْسَتْ مِنْ عِلْيَةِ النِّسَاءِ اَوْ اَعْقَلِهِنَّ'' (یعنی درمیانے درجے کی خاتون تھی) کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

۲) عورت بوڑھی تھی: بعض علماء نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ وہ عورت بوڑھی تھی لہٰذا ''قواعد'' کے حکم کے مطابق اس کے لیے چہرے کا پردہ نہ کرنے کی رخصت تھی۔ کیونکہ لفظ ''سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ'' عربی زبان میں مجازاً اُس عورت کے لیے بھی بولا جاتا ہے کہ جس کی ساری زندگی محنت و مشقت میں گزری ہو اور اس محنت و مشقت کی وجہ سے اس کا چہرہ مرجھا گیا ہو اور رنگ اور خدوخال متغیر ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ اس معنی میں استعمال بھی ہوئے ہیں۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَنَا وَامْرَاَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ـــــ وَاَوْمَاَ يَزِيْدُ بِالْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةِ ـــــ امْرَاَةٌ اٰمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلٰى يَتَامَاهَا حَتّٰى بَانُوْا اَوْ مَاتُوْا)) (۱۴۹)

''حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور پچکے گالوں والی عورت قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے ـــــ اور یزید (راوی) نے درمیانی اور شہادت والی انگلی کی طرف اشارہ کیا ـــــ یہ وہ حسب نسب والی خوبصورت عورت ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا اور اس نے اپنے بچوں کی خاطر اپنے آپ کو (نئی شادی سے) روکے رکھا یہاں تک کہ اولاد بڑی ہو گئی یا وہ عورت مر گئی۔''

اس روایت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لغت عرب میں مجازاً ''سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ'' کا لفظ ایسی عورت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کہ جس کے چہرے کا رنگ مصائب و تکالیف اور سخت مشقت کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہو۔ اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے بعض علماء نے ''سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ'' کا ترجمہ ''پچکے گالوں والی عورت'' کیا ہے' یعنی جس کے چہرے کا رنگ و خدوخال متغیر ہونے کی وجہ سے اس میں کسی قسم کی کشش باقی نہ رہی تھی اور علاوہ ازیں وہ عمر کے اس حصے کو پہنچ چکی تھی کہ جس کے لیے قرآن میں لفظ ''قَوَاعِد'' استعمال ہوا ہے۔ یہ وضاحت اتنی قوی

ہے کہ کسی دوسری تو جیہہ کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۳) حجاب کی فرضیت سے پہلے کا واقعہ: بعض نے اس حدیث کے بارے میں یہ رائے پیش کی ہے کہ یہ حجاب کی فرضیت سے پہلے کا واقعہ ہے' کیونکہ نماز عید ۲ ہجری میں شروع ہوئی جبکہ سورۃ الاحزاب کی آیت حجاب بعض علماء کے نزدیک ۳ ہجری میں' بعض کے نزدیک ۴ ہجری میں اور بعض کے نزدیک ۵ ہجری میں نازل ہوئی۔ لہٰذا یہ امکان موجود ہے کہ یہ واقعہ آیۂ حجاب کے نزول سے پہلے کا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب!

دلیل ثالث:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِيْ قَالَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيْهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَأْسَهُ فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيْهَا شَيْئًا جَلَسَتْ (۱۵۰)

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اپنے نفس کو آپؐ کے لیے ہبہ کیا۔ آپؐ نے اس کی طرف دیکھا اور اس کا اچھی طرح جائزہ لیا' پھر آپؐ نے اپنا سر جھکا لیا۔ جب عورت نے دیکھا کہ آپؐ کو اس کی حاجت نہیں ہے تو وہ بیٹھ گئی۔''

(۱) اس حدیث میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ اس عورت کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ بلکہ اس حدیث سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ عورت پردے میں تھی' کیونکہ ''فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيْهَا وَصَوَّبَهُ'' کا معنی ابن حجر نے ''وَالْمُرَادُ انه نظر اعلاها واسفلها'' بیان کیا ہے۔ یعنی مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے اوپر والے حصے اور نیچے والے حصے کو دیکھا۔ جبکہ امام نووی نے ''صَعَّدَ'' کے معنی ''رفع'' یعنی نظر بلند کرنے کے اور ''صَوَّبَ'' کے معنی ''خفض'' یعنی نظر پست کرنے کے کیے ہیں۔ یعنی آپؐ نے اس عورت کے جسم پر اوپر نیچے نظر ڈال کر دیکھا۔ اگر ان الفاظ سے کوئی یہ ثابت کرنا چاہے کہ وہ عورت پردے میں نہ تھی' کیونکہ آپؐ نے اس کی طرف دیکھا' اس لیے کہ اگر وہ پردے میں تھی تو اس کو دیکھنے کا کیا مطلب ہے' یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں الفاظ ہیں کہ آپؐ نے اس عورت کے اوپر والے اور نیچے والے دونوں حصوں پر نظر ڈالی۔ اگر اوپر والا حصہ کھلا تھا تو نیچے والا حصہ بھی کھلا ہونا چاہیے۔ دونوں حصوں میں فرق کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ لیکن منکرین

حجاب نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ اوپر والا حصہ یعنی عورت کا چہرہ کھلا تھا' اور انہوں نے نیچے والے حصے کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے' حالانکہ جس دلیل سے وہ اوپر والے حصے کو کھلا ثابت کر رہے ہیں اسی دلیل سے اس عورت کا نیچے والا حصہ یعنی پنڈلیاں' پاؤں وغیرہ بھی کھلا ہونا ثابت ہوتا ہے' جو صریح نصوص کے اور خود منکرین حجاب کے موقف کے بھی خلاف ہے' خصوصاً پنڈلی کے ستر میں داخل ہونے پر علمائے اُمت کا اجماع ہے۔ حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کے قد اور جسم وغیرہ کے بارے میں جائزہ لیا تھا' کیونکہ عرب شادی کرتے وقت موٹی عورتوں کو ترجیح دیتے تھے۔ بلکہ صحیح روایات سے پتا چلتا ہے کہ عرب میں عورتوں کے جسم کا موٹا ہونا باقاعدہ خوبصورتی میں شمار ہوتا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اس حدیث سے چہرے کے پردے کے عدم وجوب پر استدلال درست نہیں ہے۔

ب) اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ اس عورت کا چہرہ کھلا تھا تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس عورت نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نکاح کے لیے پیش کیا تھا' اور جس سے نکاح کا ارادہ ہو اُس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ منکرین حجاب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس عورت نے اللہ کے رسول ﷺ سے نکاح کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا تھا' جبکہ تمام اہل مجلس اس کو دیکھ رہے تھے۔ منکرینِ حجاب کی یہ بات غلط ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس عورت نے اصلاً تو اپنے آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نکاح کے لیے پیش کیا' لیکن اللہ کے رسول ﷺ کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں اہل مجلس کے لیے بھی اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ جیسا کہ اس روایت میں آگے چل کر اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ آپؐ نے اس عورت کا نکاح اہل مجلس میں موجود ایک ایسے شخص سے کر دیا جو کہ اس سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ کیونکہ قرآن کی آیت ﴿اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا﴾ کے نزول کے بعد تمام عورتوں کو اس بات کا علم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو اللہ کے رسولؐ کے لیے ہبہ بھی کرتی ہے تو اللہ کے رسول ﷺ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اس کو اپنے نکاح میں لیں' بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے انکار کی گنجائش بھی موجود ہے۔ اسی احتمال کو سامنے رکھتے ہوئے اس عورت نے اپنے آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کے لیے پیش کیا' جیسا کہ روایت کے شروع کے الفاظ بتا رہے ہیں' اور انکار کی صورت میں اہل مجلس کے لیے پیش کیا' جیسا کہ روایت کے آخر میں موجود ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا نکاح جب اہل مجلس میں موجود ایک شخص سے

کر دیا تو اس عورت نے اس نکاح پر کوئی انکار نہ کیا' جس سے ثابت ہوا کہ اس عورت نے اپنے آپ کو صرف اللہ کے رسول ﷺ کے لیے پیش نہ کیا تھا۔ (جاری ہے)

حواشی

۱۲۸) سنن النسائی' کتاب الزینة' باب الخضاب للنساء۔
۱۲۹) صحیح البخاری' کتاب الصلاة' باب وجوب الصلاة فی الثیاب۔
۱۳۰) سنن الترمذی' کتاب الادب' باب ما جاء فی احتجاب النساء من الرجال۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔
۱۳۱) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب فی قول اللّٰہ تعالی : ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ﴾
۱۳۲) تحفة الاحوذی' علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری' جلد۴' ص ۱۵' نشر السنة ملتان۔
۱۳۳) شرح صحیح مسلم' امام نووی' کتاب الطلاق' باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها ۔
۱۳۴) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب حج المرأة عن الرجل۔
۱۳۵) فتح الباری' جلد۱۱' ص ۱۰' المکتبة السلفیة۔
۱۳۶) حوالہ مذکورہ بالا۔
۱۳۷) حجاب المرأة المسلمة' علامہ البانی' ص ۲۹۔
۱۳۸) سنن النسائی' کتاب آداب القضاة' باب الحکم بالتشبیه والتمثیل وذکر الاختلاف علی الولید۔
۱۳۹) سنن ابن ماجه' کتاب المناسك' باب الحج عن الحی اذا لم یستطع۔
۱۴۰) سنن النسائی' کتاب مناسك الحج' باب الحج عن الحی الذی لا یستمسك علی الرحل۔
۱۴۱) رواه احمد' جلد۱' ص ۳۴۸۔
۱۴۲) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب حجة النبی ﷺ۔
۱۴۳) صحیح مسلم' کتاب صلاة العیدین۔
۱۴۴) حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔
۱۴۵) صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' باب اذا جاء کَ المؤمنات یبایعنکَ۔
۱۴۶) سنن الترمذی' کتاب الایمان عن رسول اللّٰہ ﷺ' باب ما جاء فی استکمال الایمان وزیادته ونقصانه۔
۱۴۷) سنن ابن ماجه' کتاب الفتن' باب فتنة النساء۔
۱۴۸) مسند احمد : ۳۹۳۷۔
۱۴۹) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی فضل من عال یتیما۔
۱۵۰) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب تزویج المعسر۔

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : مکتوباتِ افغانی

مرتب : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 202 صفحات ۔ قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد ضلع نوشہرہ سرحد

یہ کتاب مولانا شمس الحق افغانی کے مکتوبات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی کو لکھے ہیں۔ ان خطوط کو مولانا عبدالقیوم حقانی نے بڑے سلیقے کے ساتھ یکجا کر کے شائع کر دیا ہے۔

مولانا شمس الحق افغانی معروف عالم دین تھے۔ ان کا نام مشاہیر اسلام کی فہرست میں آتا ہے۔ آپ نہ صرف برصغیر بلکہ جزیرۃ العرب اور عالم اسلام میں متعارف ہیں۔ آپ کی علمی اور دینی خدمات قابل ستائش ہیں۔ آپ کو علامہ انور شاہ کاشمیری جیسے اعاظم رجال اساتذہ سے استفادے کا موقع ملا اور اب آپ کے علم وعمل کے خوشہ چین دنیا کے کونے کونے میں پائے جاتے ہیں۔ آپ ریاست قلات کی وزارتِ معارف الشرعیہ پر بھی فائز رہے۔ ۱۹۷۷ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن نامزد کیے گئے۔

قاضی عبدالکریم کلاچوی حضرتِ افغانی کے شاگرد ہیں جن کے حسن عمل اور اخلاق نے حضرتِ افغانی کے ساتھ اُن کے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دیا۔ چنانچہ نابغہ روزگار استاد اور شاگرد دونوں کے درمیان مراسلت کا سلسلہ جاری رہا۔ قاضی عبدالکریم کلاچوی مولانا عبدالقیوم حقانی کے اوّلین استاد اور مربی ہیں۔

بڑے لوگوں کے مکتوبات خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ تاریخ میں شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات کو بلند مقام حاصل ہے۔ خطوط کسی شخصیت کی ذاتی تحریریں ہوتی ہیں جو صاحب تحریر کے علم واخلاق کی غماز ہوتی ہیں۔ مولانا حقانی نے اس کتاب میں مولانا شمس الحق

افغانی کے مکتوبات کو شائع کر کے شائقین علم و عرفان کے لیے علمی پیاس بجھانے کا ایک اور موقع فراہم کر دیا ہے۔ کتاب کا ٹائٹل خوبصورت اور جلد مضبوط ہے۔

(۲)

نام کتاب : عکس قرآن (تعلیماتِ قرآن)

مصنف : اشفاق الرحمٰن خان شیروانی

ضخامت : 330 صفحات ۔ قیمت: 100 روپے

ملنے کا پتہ: 51/2 ڈی بلاک' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 5884917

اشفاق الرحمٰن خان قرآن و سنت کے ساتھ گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان پر فکرِ آخرت کا غلبہ ہے جس کے نتیجہ میں وہ مستند دینی معلومات عام کرنے میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ پیرانہ سالی اور ہجوم امراض کے باوجود وہ ہمہ وقت صبر و شکر کا مجسمہ قرآن و حدیث کے علوم و معارف کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جو تمام کی تمام اسلامی تعلیمات کے مختلف موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔

عکس قرآن ان کی تازہ ترین کتاب ہے۔ یہ قرآنی تعلیمات کا مرقع ہے جس میں قرآن پاک کی سورتوں میں بیان کردہ چیدہ چیدہ آیات کا ترجمہ' مختصر تشریح اور اُن میں بیان کردہ مضامین سے متعلقہ احادیث کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وسیع ذخیرۂ احادیث میں سے متعلقہ موضوعات کی احادیث تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں' جسے انہوں نے عزم و ہمت کے ساتھ انجام دیا ہے۔ چنانچہ عکس قرآن کی صورت میں یہ مضامین قرآن کا مستند خلاصہ تیار ہے۔ فکرِ سلیم رکھنے والا جو شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے گا وہ اسے مفید پائے گا اور بار بار پڑھنا چاہے گا۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے مکمل دورۂ ترجمہ قرآن اور دروس و خطابات کے علاوہ تلاوتِ قرآن' کتب احادیث کے تراجم' میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے' اردو و انگریزی کتب' کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کا

رجوع الی القرآن کورس (پارٹ II)

اعلان برائے داخلہ

کورس کا نصاب

۱) مکمل ترجمۃ القرآن
۲) حدیث
۳) فقہ
۴) اصولِ تفسیر
۵) اصولِ حدیث
۶) اصولِ فقہ
۷) عقیدہ
۸) عربی زبان وادب
۹) عالم اسلام اور احیائی تحریکیں : ایک تاریخی اور تجزیاتی مطالعہ
۱۰) اضافی محاضرات

تدریس کا آغاز و دورانیہ :

اس کورس میں داخلے امسال مئی کے اواخر تک جاری رہیں گے۔ تدریس کا باقاعدہ آغاز ان شاء اللہ اوائل جون سے ہوگا اور اگلے سال مئی کے اواخر تک جاری رہے گا۔ کورس کا کل دورانیہ ایک سال ہے۔ طلبہ کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے کورس کو دو مساوی حصوں (سمسٹرز) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر سمسٹر چھ ماہ کے دورانیے پر مشتمل ہے۔ ہفتے میں چھ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل اتوار کو ہوگی۔

اہلیت : کورس میں داخلے کے لیے درج ذیل تعلیمی اہلیت (کم از کم) لازمی ہے:

۱) بی اے / بی ایس سی یا مساوی ڈگری
۲) رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I)

رابطہ و پراسپکٹس: شعبہ تدریس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 03-5869501، فیکس: 5834000
ای میل: irts@tanzeem.org